کچھ محبتیں ملنے کے لیے نہیں ہوتیں...
صرف نبھانے کے لیے ہوتی ہیں
تیرا ہی ہے نشہ ما
محبت... قربانی... انتظار... اور وفا کی ایک کہانی
از قلم:
حوریہ احمد

تیرا ہی ہے نشہ :

از حوریہ احمد

"کہاں تھے آپ جب مجھے بدکردار کہا جا رہا تھا۔۔۔۔۔۔ کہاں تھے اس وقت جب ہمارا بچہ دنیا میں آیا۔۔۔۔۔۔ کہاں تھے آپ جب مجھے دو گھنٹے بعد ہمارے بچے کے مرنے کی خبر ملی۔ اندازہ ہے آپ کو مجھے کتنی ضرورت تھی آپ کی اس وقت۔

اندازہ لگا سکتے ہیں کیا کہ مجھے کتنی تکلیف ہوئی اپنے بچے کا مردہ وجود دیکھ کر۔

یہ تھی آپ کی محبت مجھے تکلیف دہ وقت میں اکیلا چھوڑنا آپ کی محبت تھی۔"

وہ حد درجہ غصے میں بول رہی تھی اور وہ خاموشی سے سن رہا تھا۔

کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال رہی ہے۔ وہ باتیں جو اس کے دل میں ایک سال سے تھیں۔ جو اس نے کسی سے شیئر نہیں کی۔

اس نے کھینچ کر اسے زبردستی گلے لگایا۔ وہ بے قابو ہوئی زخمی شیرنی بنی ہوئی تھی۔

یہ بات وہ خود بھی جانتا تھا کہ اس کی کوئی وضاحت اس کو مطمئن نہیں کر سکتی۔

"میں ہر وقت تمہارے ساتھ تھا۔

تب بھی جب تمہیں خود کا بھی نہیں پتا تھا، تب بھی تمہارے متعلق ہر خبر رکھتا تھا۔

میں نے کسی لمحے بھی تم سے غفلت نہیں برتی۔

تم سے دور رہنا میری مجبوری تھی۔ میں تمہیں خود سے جڑے خطروں سے دور رکھنا چاہتا تھا۔

میں جانتا ہوں کہ مشکل وقت میں تمہارے ساتھ نہیں تھا مگر تم یہ کیوں بھول گئی کہ اگر تم اس بچے کی ماں تھی تو میں بھی اس کا باپ تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تم نے اس کو اپنی گود میں لے کر محسوس کیا۔۔۔۔۔۔۔ مگر نہ میں اس کا چہرہ دیکھ سکا نہ اسے محسوس کر سکا۔۔۔۔۔ میں صرف اس کی قبر پر ہی جا سکا۔

میرے لیے یہ کتنا تکلیف دہ تھا تمہیں اندازہ ہے۔ وہ میری بھی اولاد تھی۔ تم سے اور اس سے میں غافل نہیں تھا مگر تم دونوں کی حفاظت کی خاطر تم سے دور تھا۔

میری محبت کا اندازہ تم کبھی نہیں لگا سکتی۔ مجھے تم سے کتنی محبت ہے یہ تو میں خود نہیں جانتا۔ اگر مجبوری نہ ہوتی تو کبھی تم سے دور نہیں رہتا۔"

وہ اسے اپنے دل کا حال بتا رہا تھا مگر وہ تو اس کی باہوں میں ہی بے ہوش ہو گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ مزے سے بارش میں بھیگ رہی تھی۔ خوبصورت سے لان کے بیچ وبیچ کبھی وہ گھومنے لگتی، کبھی اچھلنے لگتی۔

اسے آس پاس کا کوئی ہوش نہیں تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ خوبصورت سا موسم بدل گیا۔ آسمان پر کالے بادل چھا گئے۔ طوفان آگیا تھا۔

وہ ابھی انہی حالات سے سنبھل نہ پائی تھی کہ اس اپنے سے تھوڑا دور ایک کالا بڑا سا سانپ نظر آیا جو اس کی طرف ہی آرہا تھا۔ خوف کے مارے جیسے وہ اپنی جگہ جم گئی۔ نہ آواز نکل رہی تھی نہ پیر حرکت میں آرہے تھے۔ اس سے پہلے وہ سانپ اس کے پاس آکر اسے ڈستا، کسی نے اسے پیچھے کھینچا اور سانپ کو مار دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ مڑ کر مقابل کو دیکھتی، اس کی آنکھ کھل گئی۔ دل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز ہو گئی تھی۔ کچھ دیر لگی اسے سنبھلنے میں، مگر اس نے خود کو سنبھال لیا۔

سر اٹھا کر دیکھا تو نظر سامنے ٹرالی پر پڑے گفٹس پر پڑی۔ اس نے کوفت سے سر واپس تکیے پر رکھ لیا۔ یہ تو جیسے اب عام سی بات ہو گئی تھی۔

کسی بھی خاص تہوار پر یا اس کی سالگرہ سے ٹھیک پانچ دن پہلے صبح اٹھتے ہی اس کو اس طرح گفٹس دیکھنے کی عادت تھی۔ الجھن کی وجہ گفٹس نہیں بلکہ بھیجنے والے تھے جن کو وہ جانتی بھی نہیں تھی، مگر بھیجنے والوں اس کے بارے میں الف سے ی تک سب معلوم تھا۔

ماما سے پوچھنے کا فائدہ نہیں تھا کیونکہ ان کا جواب اس کو رٹ گیا تھا۔

"تمہارے پاپا کے دوست کی طرف سے ہیں۔"

یہ جملہ اس کو یاد ہو گیا تھا۔ پہلے پہلے اس کو یہ گفٹس اس کو الجھن میں نہیں ڈالتے تھے مگر اب یہ الجھن کے ساتھ ساتھ تجسس میں بھی ڈال رہے تھے۔

آخر یہ پاپا کے کون سے دوست تھے جو خود تو ملنے نہیں آتے تھے مگر اس کو گفٹس یاد سے بھیجتے تھے۔ وہ جب اپنے پاپا سے پوچھتی تھی ان لوگوں کے بارے میں۔ وہ اسے بتاتے تھے کہ وہ بھی ان لوگوں کے بہت کلوز تھی مگر اسے ایسا کچھ یاد نہیں۔

وہ تو پاپا کے کسی دوست کی فیملی سے سلام دعا کے علاوہ بات نہیں کرتی تھی سوائے بھٹی فیملی کے۔ ایک تو وہ لوگ ان کے نیکسٹ ڈور نیبر تھے اور فیملی فرینڈز تھے مگر یہ کون لوگ تھے جن سے بقول پاپا کے وہ بہت کلوز تھی۔

ایسے بہت سے سوال اس کے دماغ میں آتے تھے جن کے تسلی بخش جواب اس کو ملتے نہیں تھے۔

"حورام ناشتہ میں نے بنا دیا ہے۔ اپنے پاپا کو بھی ناشتہ کروا دینا اور باقی کے کام بھی دیکھ لینا۔"

اس کی ماما سکول جانے کے لیے تیار ہو رہی تھیں اس کو جاگتے دیکھا تو اس کے پاس آئیں۔ اس نے محض سر ہلایا۔

کچھ دیر بعد وہ بھی سکول چلی گئیں۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی کچھ دیر لگی نیند بھگانے میں پھر اٹھ کر واشروم چلی گئی۔

صبح اٹھ کر نہانا اس کی عادت تھی۔ چاہے گرمی ہو یا سردی۔ اس بات پر اس کی تائی ہمیشہ اسے ہمت والا کہتی تھیں۔ کیونکہ گرمیوں میں بارش کے بعد ٹھنڈے موسم میں بھی وہ ٹھنڈے پانی سے نہاتی تھی جس پر سارا گھر بلبلا جاتا تھا۔

فریش ہو کر روم میں آئی تو اس کے پاپا ابھی تک سو رہے تھے۔ کیونکہ راتکو نماز پڑھ کر اور اپنے روز کے ازکار کر کے ان کو سونے میں دیر ہو جاتی تھی۔ وہ خاموشی سے واپس صوفے پر بیٹھ گئی۔

اپنا فون اٹھایا اور ناول پڑھنا شروع کر دیا۔ یہ اس کی عادت تھی وہ ناول ایڈکٹ تھی۔

اس کے بعد اس کو بھوک لگنے لگ گئی۔ ناشتہ کرنے کے بعد وہ روم سے نکلی اور دوسرے روم کا دروازہ دیکھا جو بند تھا اور اسے سمجھ آ گئی کہ اس کی کزن ورک آوٹ کر رہی ہے۔ اس کو خود بھی ورک آوٹ کی ضرورت تھی مگر اپنی سستی اور کام چوری کی وجہ سے وہ نہیں کرتی تھی۔

دوسرے روم تک گئی تو وہاں بھی سب سو رہے تھے۔ اس کے تایا اور کزن حمدان بھائی دیر سے آفس جاتے تھے۔ اس لیے اس کی تائی دیر سے اٹھتی تھیں جبکہ اس کی دوسری کزن مہرہ جو اس کے ہم عمر تھی کالج سے چھٹیوں کے باعث اس کو صبح اٹھنے میں دیر ہو جاتی تھی تھی۔

اس کی ماما نے اسے بچپن سے جلدی اٹھنے اور سونے کی عادت ڈالی تھی۔ اس کی یہ روٹین بھی صرف تب خراب ہوئی جب وہ آن لائین ٹیلی مارکیٹینگ کی جاب کر رہی تھی۔ اب اس کو جاب چھوڑے ایک مہینہ ہو چکا تھا کیونکہ اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو کسی صورت اپنی نیند قربان نہیں کر سکتے۔ جبکہ وہ جوب نیند کی قربانی کا دوسرا نام تھی اور یہ چیز حورام کو منظور نہیں تھی اس لیے اس نے ایک مہینے کے اندر ہی وہ جوب چھوڑ دی۔

اس کے ماما بابا اس کی جوب کے حق میں نہیں تھے، یہ اس کی اپنی ضد تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آبان شاہ اور زہرہ شاہ کے تین بچے تھے۔ دو بیٹے اور ایک بیٹی۔

پہلے بیٹے ارباس شاہ جن کی شادی ان کی خالہ ذات سمیعہ شاہ سے ہوئی۔ ان کے دو بچے تھے ایک بیٹا حمدان شاہ جو کہ اٹھائیس سال کا تھا اور میڈیا میں تھا۔ دوسری بیٹی مہرہ شاہ جو بیس سال کی تھی اور حورام کی ہم عمر تھی ان دونوں میں ایک مہینے کا فرق تھا۔ مہرہ بی کوم پارٹ ون میں تھی۔

پھر دوسرے بیٹے آفتاب شاہ۔ان کی شادی اپنی تایا زاد نائمہ بیگم سے شادی ہوئی۔ان کی ایک ہی بیٹی تھی حورام جو کہ بیس سال کی تھی اور وہ بی اے پارٹ ٹو میں تھی اگلے مہینے اس کے ایگزیمز تھے۔

پھر بیٹی ماہم شاہ جن کی شادی اپنے تایا زاد اسحاق شاہ سے ہوئی۔ ان کی ایک ہی بیٹی تھی حرا جو حورام سے چھ سال چھوٹی تھی اور ابھی میٹرک کے ایگزیمز سے فارغ ہوئی تھی۔ اسحاق شاہ کی وفات تب ہوئی جب حرا تین سال کی تھی۔ تب سے ماہم بھائیوں کے ساتھ ہی رہتیں تھیں۔ وہ بھی ٹیچر تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ جاگینگ سے واپس آیا اور آکر اپنا ناشتہ بنایا۔ وہ یہاں اکیلا رہتا تھا۔ ناشتہ کر کے وہ تیار ہونے چلا گیا۔ وہ ایک وقت کا پابند انسان تھا۔ اس کی جوب بھی ایسی تھی کہ اسے وقت کی پابندی کرنی پڑتی تھی۔

تیار ہو کر وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑا ہوا۔ اپنی واچ پہنی اور خود پر پرفیوم چھڑکایا۔

اتنے میں اس کا فون بجا۔بیڈ کی سائڈ ٹیبل سے فون آٹھایا تو نظر ساتھ پڑے فریم پر گئی جہاں ایک 12 سالہ بچہ اور 4 سالہ بچی ساتھ بیٹھے تھے۔

تصویر میں موجود بچی کو دیکھ کر اس کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ آئی۔

فون دوبارہ بجنے لگا جس پر اس کا دماغ گھوم گیا۔ جانتا تھا کون ہے۔

"کیا موت آگئی ہے؟ اگر بندہ فون نہیں اٹھا رہا تو مطلب یہی ہے نہ کہ وہ مصروف ہے۔"

وہ پھاڑ کھانے کے انداز میں بولا۔

"معذرت سر جی مگر تھانے میں کوئی بزرگ آئے ہیں اور آپ کا پوچھ رہے ہیں۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ وہ صرف آپ کو اپنا مسئلہ بتائیں گے۔"

اس کے جونیر نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ اس کے غصے سے تو ہر کوئی پناہ مانگتا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے میں آ رہا ہوں۔"

ابھی اس نے کال کاٹی کہ دوسری کال آگئی۔ اور نمبر دیکھ کر وہ مسکرایا۔ کال اٹینڈ کی اور فون کان سے لگایا اور جان کر بولا۔

"جی کون بات کر رہا ہے۔"

جانتا تھا کہ اس کی بات دوسری طرف بیٹھی شخصیت کو جلانے کے لیے کافی ہوگی۔

"نالائق، بے غیرت انسان! تمہارا باپ بول رہا ہوں۔"

اپنے باپ کی تپی ہوئی آواز سن کر جہان کو ہنسی آئی جو وہ دبا گیا۔

"ابو!"

اس نے حیران ہونے والے انداز میں کہا۔

"چلو شکر ہے میرے بیٹے کو یاد ہے کہ اس کا کوئی باپ بھی ہے ورنہ مجھے لگا تھا کہ تم نے ہمارے جیتے جی ہم پر فاتحہ پڑھ لی ہے۔"

"ابو کیا ہو گیا ہے۔ کیوں ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ اللہ آپ کو لمبی زندگی دے۔"

وہ تڑپ کر بولا۔

"تو اور کیا کروں۔ اس باپ کا کیا حال ہو گا جس کا بیٹا اس کو اپنی شکل نہیں دکھاتا۔ تم اپنی ماں کی ضد کی سزا اپنے باپ کو کیوں دے رہے ہو۔"

ان کی آواز میں تھکن اور بے بسی تھی۔

"میں کسی کو سزا نہیں دے رہا۔ آپ ساری بات جانتے ہیں۔ مام جو چاہتی ہیں میں وہ نہیں کر سکتا۔

میں جانتا ہوں میں وہاں آیا تو وہ مجھے ایموشنلی بلیک میل کریں گی اور ان کی بات میں مرتے دم تک نہیں مان سکتا۔ اگر وہ اپنی ضد نہیں چھوڑیں گی تو میں بھی ان کا بیٹا ہوں اور اپنی بات پر قائم ہوں." وہ اٹل لہجے میں بولا۔

"تمہاری بات بھی ٹھیک ہے مگر اپنے باپ کو تو اپنا چہرہ دکھا دیا کرو۔ ترس گیا ہوں تمہیں دیکھنے کے لیے۔"

وہ اداسی سے بولے۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ میں اس ویک اینڈ پر آئوں گا آپ سے ملنے مگر وہاں رہوں گا نہیں۔"

اپنے بابا کی خاطر اس نے یہ پلین بنایا۔

" ٹھیک ہے جیسا تم چاہو۔ میرے لیے یہی بہت ہے۔ اچھا میں فون رکھتا ہوں۔ خدا حافظ میرا بچہ اپنا خیال رکھنا اور اپنی بات پر قائم رہنا۔"

اس کے بابا قاسم ہاشمی خوش ہو کر بولے۔ اس نے بھی الودائی کلمات کہہ کر فون رکھ دیا اور مسکرایا جانتا تھا کہ یہ فون اس کی ماں نے کروایا ہے۔

قاسم صاحب فون رکھ کر مڑے تو ان کی بیوی سلماء بیگم ان کو اس سے دیکھ رہی تھیں۔

"کیا کہا اس نے؟ آ رہا ہے کیا؟"

انہوں نے امید سے پوچھا۔

"ہاں آرہا ہے اور خدا کے لیے اس کو مت چھیڑنا اس دفعہ۔ بہت مشکل سے مانا ہے۔ تمہاری ضد کی وجہ سے اس نے بھی ضد ڈال لی۔ تم جانتی ہو جو تم چاہتی وہ۔ وہ کبھی نہیں مانے گا۔ تو کیوں اس سے بار بار ایک ہی بات کرتی ہو۔ جوان بیٹا ہے سلما بیگم اتنا مت آزمائو کہ وہ کچھ ایسا کر گزرے جو تمہارے لیے اچھا نہ ہو۔

تمہاری وجہ سے میں اپنا بیٹا نہیں کھو سکتا۔"

وہ بول رہے تھے اور سلماء بیگم ان کی بات پر توجہ نہیں دے رہیں تھیں۔ ان کے ہٹ دھرم انداز پر ان کو افسوس ہوا اور وہ کمرے سے باہر چلے گئے۔

"وہ میرا بیٹا ہے، آج نہیں تو کل میری بات مان لے گا۔"

انھوں نے دل میں سوچا۔ وہ کسی صورت اپنی ضد سے مٹنے کو تیار نہیں تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قاسم ہاشمی اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھے۔ ان کی شادی اپنی پھوپھی زاد سلماء بیگم سے ہوئی۔

ان کے دو بیٹے تھے۔ سجاد اور جہان۔ سجاد جس کی عمر 36 سال تھی، اس کی شادی اپنی کلاس فیلو عائزہ سے ہوئی جو ایک اچھی سلجھی لڑکی تھی۔ اس کے بابا ہارٹ سرجن تھے۔

اس کے اچھے بیک گرائونڈ کے باعث سلماء بیگم کی وہ لاڈلی تھی۔ سجاد تنگ ذہنیت کا مرد تھا جبکہ جہان بروڈ مائنڈ تھا، وہ پرانی سوچ کا مالک نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جہان جیسے ہی پولیس سٹیشن میں داخل ہوا۔ شکیل اس کا جونئر اس کے پاس آیا اور سلوٹ کیا۔

"ہاں بتائو شکیل۔ کہاں ہیں وہ بزرگ جو مجھ سے ملنا چاہتے تھے۔"

جہان نے پہلے ان بزرگ کے بارے میں پوچھا۔

"سر جی ان کو آپ کے روم میں بٹھا دیا ہے۔"

جہان سر ہلا کر آفس میں داخل ہوا۔ جہاں وہ بزرگ اسی کا انتظار کر رہے تھے۔

"السلام و علیکم ! کیسے ہیں آپ؟ آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے۔۔"

سلام کرتے ساتھ ہی وہ مدعے کی بات پر آیا۔

"بیٹا میں ایک غریب سا بندہ ہوں۔ دن رات محنت کر کے اپنے بچوں کا پیٹ بھرتا ہوں۔ غریب ہی سہی مگر میری تھوڑی عزت ہے دنیا میں۔۔۔۔۔"

ان بزرگ کی باتیں اس کی سمجھ سے باہر تھیں۔ انکی اتنی تمہید کا مطلب اسے سمجھ نہیں آرہا تھا۔

"آپ مجھے کھل کر بتائیں کہ بات کیا ہے میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔"

اس نے اصل بات جاننی چاہی۔

"بیٹا میری ایک بیٹی ہے جس کو کالج جاتے ہوئے کچھ لڑکوں کا گروہ تنگ کرتا ہے۔ تم تو جانتے ہو کہ غلطی کسی کی بھی ہو سزا ہمیشہ عورت کو ہی ملتی ہے۔ ان میں سے ایک تو باقائدہ شادی کی دھمکی بھی دے چکا ہے۔ میں نے بہت کوشش کی مگر کوئی میری فریاد سننے کو تیار نہیں۔ میں ان لڑکوں سے سخت تنگ ہوں۔ ہر وقت غنڈہ گردی دکھاتے ہیں، ہر آتی جاتی لڑکی کو تنگ کرتے ہیں۔ یہ دیکھو بیٹا میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں خدارا میری بیٹی کو بچا لو ابھی وہ لوگ صرف دھمکیاں دے رہے ہیں، کل کو کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گا۔"

وہ بزرگ اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر رو رہے تھے۔ جہان نے تڑپ کر ان کا ہاتھ تھاما۔

"ایسے ہاتھ جوڑ کر مجھے شرمندہ مت کیجیے انکل۔ آپ کی بیٹی میرے لیے بہن جیسی ہے۔ آپ فکر مت کیجیے میں اپنی بہن کی عزت کر حفاظت کروں گا۔ آپ بے فکر ہو جائیں مجھ سے جتنا ہو سکا میں کروں گا۔"

اس طرح کچھ باتوں کے بعد، ان کو تسلی دینے کے بعد، وہ بزرگ جہان کو دعائیں دیتے چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی جہان نے شکیل کو بلایا.

"شکیل کچھ لوگوں کو ان کے محلے میں بھیجو تاکہ وہ بتا سکیں کہ وہاں کب کیا حالات چل رہے ہیں۔ ان لوگوں کی مجھے ساری تفصیلات چاہیے۔ تاکہ جلد سے جلد یہ مسئلہ ختم اور اس بچی کی حفاظت کے لیے بھی ایک بندہ خاموشی سے ہائیر کر دو جو دور سے اس کا خیال رکھے۔"

"جی ٹھیک ہے سر۔ میں سب کر دوں گا۔ تھوڑا وقت درکار ہو گا مگر ہو جائے گا۔"

شکیل کی بات پر اس نے صرف سرہلایا۔

آج اسے گھر جلدی جانا تھا کیونکہ زی الحج کا مہینہ تھا۔ اور کل نو زی الحج تھا۔ اسے عبادت بھی کرنی تھی اور پھر چاند رات کو گھر بھی ملنے جانا تھا۔ اس لیے اس کی کوشش تھی کہ سارے نہ سہی کچھ کام نبٹ جائیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حورام جب کمرے میں آئی تو اس کے بابا آفتاب شاہ جاگ چکے تھے۔

" حور پانی گرم کر دو بیٹا۔"

آفتاب شاہ کو صبح اٹھ کر گرم پانی کے غرارے کرنے کی عادت تھی۔ وہ پانی کے دو گلاس گرم کرواتے ایک سے غرارے کرتے اور ایک پیتے تھے۔ سموکر ہونے کے باعث ان کا گلا خراب رہتا تھا۔

"اوکے پاپا۔ آپ اٹھ جائیں جب تک میں پانی لاتی ہوں۔ جلدی سے اٹھ جائیں۔۔"

اس کو پتا تھا کہ اس کے پاپا تھوڑے سے سلو ہیں۔ جس پر اس کی ماما کو بھی اعتراض تھا۔

آفتاب صاحب کبھ کبھار اٹھتے ہوئے یا کسی بھی کام کو بہت وقت لگا دیا کرتے تھے۔ جبکہ نائمہ بیگم کام جلدی نپٹانے کی عادی تھیں اور ان کی خوش قسمتی کہ حورام بھی ان پر گئی تھی۔ اس کو بھی کام جلدی ختم کرنے کی عادت تھی۔

اس نے پہلے ان کے لیے پانی گرم کیا۔ ایک گلاس باہر برآمدے میں لگے واشبیسن کے پاس رکھ دیا اور دوسرا گلاس کمرے میں ٹرالی پر ڈھک کر رکھ دیا۔

اب وہ آفتاب صاحب کے پاس کھڑی ہو گئی اور ان کی داڑھی پرپیار سے ہاتھ پھیرنے لگ گئی۔ اپنے پاپا کے چہرے پر داڑھی اس کو بہت پسند تھی۔ اسی طرح اس نے لاڈ سے ان کا گال زور سے چوما جس پر وہ مسکرائے اور بولے۔

"تھینک یو میرا بچہ۔"

حورام مسکرائی۔

"اچھا اب جلدی سے اٹھیں، منہ ہاتھ دھوئیں اور ناشتہ کر لیں۔"

حورام شکل کے معاملے میں آفتاب شاہ پر گئی تھی۔ فرق اتنا تھا کہ آفتاب صاحب کا رنگ سانولا تھا جبکہ نائمہ بیگم کا رنگ صاف تھا۔

اور حورام ان کا مکسچر تھی اس کی رنگت گندمی تھی۔

اس کا قد چار فٹ نو انچ تھا جسم بھی پھولا ہوا تھا۔ اور ہاتھ پاؤں بھی چھوٹے تھے۔ بلکہ اس کے پاؤں کا سائز دس سال یا بارہ سال کی بچوں میں آتا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کو اپنے سائز کی ہیلز بھی نہیں ملتی تھیں۔

اس کے ہاتھ بھی چھوٹے تھے۔ اس بات کو آفتاب صاحب اکثر پریشان رہتے تھے۔ مگر ڈاکٹر نے ان کو یہ کہہ کر تسلی دی کہ یہ کوئی معیوب بات نہیں اور کچھ اس میں جینز کا بھی عمل دخل ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Hooria AHMAD
WRITING STORIES • SHARING THOUGHTS • INSPIRING MINDS

اب اس کا اگلا کام تھا چائے بنانا۔ اس نے اپنے اور آفتاب صاحب کے لیے چائے بنائی۔ وہ پوری فیملی ہی چائے کی شوقین تھی۔ اس نے چائے بنائی۔ اور روم میں لا کر ٹیبل پر رکھ دی۔ باقی پورا کمرہ وہ سمیٹ چکی تھی اب صرف بیڈ صاف کرنا رہ گیا تھا جو اس نے کر دیا۔

اب اس کے سارے کام ختم ہو چکے تھے۔

اس نے بکس اٹھائیں اور پڑھنے بیٹھ گئی کیونکہ دوپہر میں سب نے مل کر عبادت کرنی تھی۔ اس نے مہرہ اور حرا نے۔

اس کی تائی امی دین کے معاملے میں سخت تھی۔ وہ خود 5 وقت کی نمازی تھیں۔ گھر کی تمام خواتین 5 وقت کی نمازی تھیں۔ گھر کے بچے اس معاملے میں رج کے کامچور تھے۔

دو گھنٹے پڑھنے کے بعد اس نے بک بند کردی اور پھر سے موبائل اٹھا کر ناول پڑھنے لگ گئی۔ بقول مہرہ کے وہ ناول ایڈکٹ تھی۔ ناول پڑھے بغیر اس کا گزارہ نہیں تھا۔

ابھی وہ ناول پڑھ رہی تھی جب حرا ورک آؤٹ کر کے اس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

"تمہیں بر تھڈے پر کیا چاہیے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اللہ کا واسطہ ہے ناول کے علاوہ کچھ مانگنا نشئی عورت۔ ناولز کی نشئی نہ ہو تو۔۔۔۔۔"

حرا نے پہلے اس کو وارن کر دیا کیونکہ وہ حورام کی فرمائش سے واقف تھی کہ اس کو پتا تھا کہ وہ اس سے ناول ہی مانگے گی۔ اس کا فیورٹ ناول "جنت کے پتے" تھا۔ جس کی بک فارم کو لینے کی وہ بہت شوقین تھی مگر نائمہ بیگم اس کی یہ بات نہیں مانتی تھیں۔

"ہاں تو جب پتا ہے تو پوچھ کیوں رہی ہو۔۔۔۔۔۔ فارغ عورت۔"

حورام نے بھی تڑخ کر جواب دیا۔ 5 دن بعد اس کی سالگرہ تھی۔ ہر کوئی اس سے گفت کا پوچھنے آرہا تھا اور جو گفٹ وہ چاہتی تھی وہ کوئی اس کو لے کر نہیں دے رہا تھا۔ اس لیے وہ چڑ جاتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج چاند رات تھی۔ کل شکیل نے اس کو ان لڑکوں کی تفصیلات لا کر دے دی تھیں۔ تفصیلات کیا ان میں سے ایک کو دیکھ کر سمجھ آگئی تھی۔ ان میں سے ایک لڑکا علاقے کے ایم این اے تیمور خان کا بیٹا تھا۔ باقی اس کے دوست تھے جو اس کے بل پر غنڈہ گردی کرتے تھے۔

راولپنڈی کے اس محلے میں سب غریب لوگ یا سفید پوش نچلے طبقے کے لوگ رہتے تھے۔ اس لیے وہ ان لڑکوں کے خلاف کوئی شکایت نہیں کر رہے تھے۔

مگر ان بزرگ نے ان کی شکایت کر کے عقلمندی دکھائی تھی۔ جہان کو یہ دیکھ کر شدید حیرت ہوئی کے اسی کے ایریا میں یہ غنڈہ گردی ہو رہی تھی اور اس کو ہی نہیں علم ہوا۔

شکیل سے اس بارے میں معلوم کرنے پر پتا چلا کہ جب وہ بزرگ پہلی بار یہاں کمپلین لے کر آئے تھے تب نہ جہان تھانے میں تھا اور نہ شکیل۔ باقی کسی نے ان کی بات کو اہمیت نہیں دی۔ جس پر جہان نے بعد میں تمام سٹاف کی اپنے طریقے سے عزت افزائی کی تھی۔

اس کو غصہ کم ہی آتا تھا مگر جب آتا تھا تو سب کی ساتھ کمبختی آتی تھی۔

سب جانتے تھے کہ ان کے یہ والے صاحب جتنے خوش مزاج تھے اتنا ہی انکو بد مزاج ہونے میں وقت نہیں لگتا تھا۔

جہان کا قد کم سے کم چھ فٹ تھی۔ کندھے چوڑے تھے۔ صاف رنگت اور چہرے پر ہلکی داڑھی تھی۔

اب وہ مینٹلی طور پر ریلکس تھا کہ کافی حد تک کام ہو گیا تھا۔ ابھی وہ ان کو پکڑنے کے لیے موقع ڈھونڈ رہا تھا۔ اس نے شکیل کو کہہ کر ان لڑکوں پر نظر رکھنے کا کہا تھا کہ جیسے ہی وہ کوئی حرکت کریں اس سے ساتھ ہی وہ انھیں پکڑ لیں۔

Hooria AHMAD
WRITING STORIES SHARING THOUGHTS INSPIRING MINDS

سارے کام ختم کرنے کے بعد اس کو گھر کے لیے نکلنا تھا۔

اپنے بابا کو اس نے کہا تھا کہ وہ وہاں نہیں رہے گا مگر اب اس کا خود کا موڈ اپنے گھر والوں کے ساتھ عید گزارنے کا تھا۔ وہ خود راولپنڈی میں تھا جہاں وہ فلیٹ میں رہتا تھا۔ جبکہ اس کے بابا، ماما، بھائی اور بھابھی گاؤں ہی تھے۔ وہ لوگ زمیندار لوگ تھے۔ ان کی وہاں زمینیں تھیں۔

اس کے بابا اور بڑا بھائی زمینوں کا کام دیکھتے تھے۔ اس کا بڑا بھائی اور بھابھی دونوں ڈاکٹر تھے۔ اس کے بابا نے چھوٹا سا وہاں ہاسپٹل بنوایا تھا جسے سجاد اور اس کی بیوی عائزہ سنبھالتے تھے۔ سجاد تو عائزہ کے ہاسپٹل جانے کے حق میں نہیں تھا۔ مگر قاسم صاحب چاہتے تھے کہ ان کی بہو آگے بڑھے۔ سجاد عائزہ سے بہت محبت کرتا تھا مگر اس میں صرف ایک برائی تھی اور وہ تھی اس کی تنگ ذہنیت۔ مگر عائزہ نے اس چیز کے ساتھ سمجھوتا کر لیا تھا۔

جہان نے اپنے آنے کی اطلاع کسی کو نہیں دی تھی۔ رات کو آنے سے اس کے بابا منع کرتے تھے کیونکہ رات کو ہر طرف ہو کا عالم ہوتا تھا۔ مگر جہان پھر بھی ڈھیٹائی سے رات دیر سے جاتا تھا اور پھر ہر بار زلیل بھی ہوتا تھا قاسم صاحب سے۔

اب تو ان کو بھی صبر آگیا تھا ان کو سمجھ آگئی تھی کہ وہ ڈھیٹ انسان نہیں ماننے والا۔

جہان مسکراتے ہوئے یہ باتیں سوچ رہا تھا۔ گھر تک کا راستہ کم سے کم ڈیڑھ یا دو گھنٹے کا تھا۔ آخر کار ایک تھکا دینے والی ڈرائیو کے بعد وہ گھر پہنچ گیا۔

اتنا تو اس کو پتہ تھا کہ گھر میں سب سو رہے ہوں گے اس لیے خاموشی سے بغیر شور کیے اپنے روم میں گیا اور فریش ہو کر سونے لیٹ گیا۔ پورے دن کی تھکن کے باعث اس کو نیند آگئی اور وہ نیند کی وادیوں میں گم گیا۔

اگر وہ دو گھنٹے پہلے تک آتا تو اس کو گھر والوں کے ساتھ تھوڑی باتیں کرنے کا موقع مل جاتا۔ مگر اب رات کے بارہ بج رہے تھے جب کہ ان کے گھر کا اصول تھا کہ دس بجے کے بعد سب کو سونا ہوتا ہے۔ جہان کی چونکہ ڈیوٹی سخت تھی اس لیے وہ لیٹ ہوتا تھا اور وہ آتا بھی تب تھا جب سب سو چکے ہوتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جیسے ہی چاند نظر آیا اور اگلے دن عید ہونے کا اعلان ہوا۔ اس کے ساتھ ہی حورام نے نائمہ بیگم کے کان کھا لیے کہ وہ اس کو مہندی منگوا دیں۔

اب بیچاری نائمہ بیگم کب سے آفتاب صاحب کو کہہ رہی تھیں چلنے کا مگر وہ اپنے رات کے اذکار کر رہے تھے۔

آخر کار ایک گھنٹے بعد ان کے اذکار ختم ہوئے تو وہ نائمہ بیگم کے ساتھ بازار کے لیے نکل گئے۔ کیونکہ مہندی کے علاوہ حورام کے سوٹ کے ساتھ دوپٹے بھی آنے تھے اور جیولری بھی۔

نائمہ بیگم اس کو کہتی بھی تھیں کہ وہ خود جا کر لے آئے مگر حورام کو نہ شوپنگ کا شوق تھا نہ آؤٹنگ کا۔ یہاں تک کہ اس کو بھیڑ والی جگہ پر بھی گھبراہٹ ہوتی تھی۔

اس لیے وہ صاف انکار کر دیتی تھی جس کر بعد میں وہ نائمہ بیگم سے ڈانٹ بھی کھاتی تھی اور روتے ہوئے آفتاب صاحب کے پاس پہنچ جاتی تھی جس کے بعد نائمہ بیگم کی ان سے کلاس لگتی تھی۔

حورام، مہرہ اور حرا کوئی بہت نازو پلی لڑکی نہیں تھیں۔ کیونکہ ان کی ماؤں کے مطابق لڑکیوں کو سخت جان ہونا چاہیے اس لیے وہ تینوں کو بلاوجہ کے چونچلے نہیں دکھانے دیتی تھیں۔ ان کو چوٹ لگ جائے یا کوئی درد نکل آئے تو وہ ان کو پیمپر نہیں کرتی تھیں۔

حورام بیمار بہت کم ہوتی تھی مگر جب ہوتی تھی تو اس کی حالت حد درجہ بگڑ جاتی تھی اور صرف اس وقت نائمہ بیگم اس کو لاڈ کرتیں یا اس کو پیمپر کرتیں۔

حوارم کو خود بھی نازک بننا پسند نہیں تھا۔ اس کی نظر میں بھی لڑکیوں کو سخت جان ہونا چاہیے۔ بلکہ ایسی نازک اور ادائیں دکھانے والی لڑکیاں اس کو بری لگتی تھیں اور وہ ان کو "پاپا کی پری" کہتی تھی۔ یہ تو اس کا تکیہ کلام تھا۔

مگر افتاب صاحب جانتے تھے کہ کچھ معاملات میں حورام حساس ہے اور اکلوتی بیٹی ہونے کی وجہ سے وہ اس سے بہت لاڈ کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ سے حورم کو اپنی کل کائنات کہتے تھے۔ اس کا رونا ان کو پسند نہیں تھا۔

نائمہ بیگم کو ہر وقت یہی فکر لگی رہتی تھی کہ آگے جا کر حورام کا کیا بنے گا۔ کیونکہ جو اس کے حالات تھے وہ اچھے نہیں تھے، اس کا موٹاپا اور چھوٹا قد۔

جیسی ہی مہندی آئی حورام جھٹ سے اپنی پھوپھو ماہم بیگم کے پاس پہنچ گئی۔ کیونکہ وہی اس کو اور حرا کو مہندی لگاتی تھیں جب کہ مہرہ کو مہندی سے شدید چڑ تھی اور اس بات پر حورام اکثر اسے یہ کہہ کر چڑاتی تھی کہ اگر اس کے میاں کو مہندی پسند ہوئی تو کیا کرے گی۔ جس پر مہرہ اس کو ایک ہی بات کہتی تھی کہ " اپنی کالی زبان بند رکھو" ....

حرا اور حورام مہندی کی شوقین تھیں۔ ہر شادی تہوار پر مہندی لگانا ان دونوں پر جیسے فرض تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قاسم صاحب جب صبح اٹھے تب چوکیدار نے ان کو جہان کی آمد کا بتایا جس پر وہ خوش بھی ہوئے اور حیران بھی۔ پھر وہ اس کے کمرے میں گئے جہاں وہ گہری نیند میں سو رہا تھا۔ عید کی نمازیں ابھی وقت تھا اس لیے انھوں نے اسے سونے دیا۔

سلما بیگم کو انھوں نے اس کے آنے کا بتا دیا اور ساتھ ان کو خاص ہدایت دی کہ وہ اس سے کوئی الٹی سیدھی بات نہ کریں جس کا انھیں اثر ہوا کہ نہیں وہ نہیں جانتے۔

جیسے ہی نماز کا وقت قریب آنے لگا قاسم صاحب نے اسے اٹھانے کا کہہ دیا۔

سلما بیگم اس کو اٹھانے گئیں۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ مسکرائی کیونکہ وہ جاگ چکا تھا اور اب تیار ہو رہا تھا۔ جیسے ہی اس کی نظر ان پڑی وہ مسکرایا اور ان کے پاس آتے ہی ان کا ماتھا چوم کر ان لے گلے لگا۔

"کیسی ہیں میری پیاری مام۔"

وہ جانتی تھیں کہ وہ ناراض ہونے کے باوجود بھی بے رخی نہیں دکھا سکتا۔

"میں ٹھیک ہوں تم کیسے ہو۔ اور اتنے دن بعد تمہیں ماں باپ کا خیال آگیا۔"

لگے ہاتھ انھوں نے شکوہ بھی کر لیا جس پر وہ مسکرایا۔

"کیا کروں ڈارلنگ کام بہت ہوتا ہے۔ سر کھجانے کی فرصت نہیں ہوتی۔"

جہان نے معصوم شکل بنا کر کہا جس پر انھوں نے اسے گھورا اور اس کے کندھے پر ہلکی سی چپت لگائی۔

"کتنی بار کہا ہے ان بے ہودہ ناموں سے نا بلایا کرو مجھے۔ تمہارے بابا کو پسند نہیں یہ سب۔"

انھوں نے اسے ٹوکا کیونکہ وہ اکثر اسے ہی فضول بولتا تھا اور پھر قاسم صاحب سے زلیل ہوتا تھا۔

سجاد سنجیدہ مزاج تھا اور کم ہی بولتا تھا۔ جہان سنجیدہ بھی تھا مگر شوخ بھی تھا صرف گھر والوں کے سامنے۔

"اچھا اب تیار ہو کر نیچے آؤ۔ تمہارے بابا انتظار کر رہے ہیں۔"

"کیا مطلب بابا کو پتہ ہے میرے آنے کا؟"

اسے حیرت ہوئی۔

"جی اور انھوں نے ہی مجھے تمہارے آنے کا بتایا ہے۔"

سلمیٰ بیگم اسے کہہ کر کمرے سے نکل گئیں۔ اب وہ اپنی تیاری مکمل کرنے لگ گیا۔ تیار ہوتے وہ نیچے گیا۔ جہاں قاسم صاحب اور سجاد اس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ آکر سجاد اور قاسم صاحب کے گلے لگا پھر وہ تینوں اکٹھے عید گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسے خود پر جھکاؤ محسوس ہو رہا تھا اور وہ مسلسل مزاحمت کر رہی تھی مگر اس کی مزاحمت کا مقابل پر کوئے اثر نہیں ہو رہا تھا۔ کوئی بند سا کمرہ تھا جہاں وہ موجود تھی۔

ایک دم منظر بدلا اور اس نے خود کو بے حال محسوس کیا۔ کچھ دیر بعد اس کی گود میں ایک ننھا سا وجود دیا گیا، جس کو دیکھ کر اسے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ اس نے جھک کر اس ننھی سی جان کا ماتھا محبت سے چوما۔ ابھی وہ اس ننھے سے وجود کو دیکھ رہی تھی جب کوئی آیا اور اس سے بچے کو لے لیا اور آرام کرنے کو کہا۔ اس کو اپنا سر بھاری اور آنکھیں بند ہوتی محسوس ہوئیں۔

دوبارہ جب آنکھ کھولی تو کوئی اسے کچھ بتا رہا تھا۔

"حورام تمہارا بچہ اس دنیا میں نہیں رہا۔"

یہ بات سنتے ہی وہ گویا سکتے میں آگئی۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ ناجانے کیوں وہ خاموش بیٹھی رہی۔ ابھی وہ کچھ سمجھتی کہ اس کے کچھ گھنٹے پہلے دنیا میں آئی اولاد کا مردہ وجود اس کو دکھایا گیا۔ اس بار بھی اس کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکلا۔ ناجانے کیسے وہ صبر سے بیٹھی رہی اس نے کوئی واویلا نہیں مچایا۔

ایک دم سے حورام کی آنکھ کھل گئی۔ ماتھے پر پسینہ تھا، دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ سانس لینے میں بھی دشواری محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے آس پاس دیکھا تو کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ باہر سے خالہ (تائی)، پھوپھو اور ماما کی باتوں کی آوازیں آرہی تھیں۔

وہ منظر اس کے دماغ سے جا نہیں رہا تھا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی آج تک کبھی اسے ایسا خواب نہیں آیا۔ بچے والا منظر دماغ میں آتے ہی اس کو اپنا دل بھاری ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

کچھ دیر اسے ہی بیٹھے وہ خواب کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرتی رہی۔ مگر دماغ بالکل بند محسوس ہو رہا تھا۔ اب گھبراہٹ کی جگہ جھنجھلاہٹ نے لے لی۔

مزید سوچنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے وہ اٹھی اور روم سے باہر نکلی۔ واشروم جا کر فریش ہوئی اور حرا کے پاس آگئی جو فون کے ساتھ مصروف تھی۔

حورام کو آتا دیکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوئی کیونکہ وہ شکل سے ہی پریشان لگ رہی تھی۔

"کیا ہو گیا تمہیں شکل پر بارہ کیوں بجے ہیں تمہاری۔"

حرا نے پوچھا جس پر حورام تھوڑی دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہی جیسے سوچ رہی ہو کہ اسے بتانا چاہیے یہ نہیں۔ کیونکہ جو بھی تھا حرا اس سے چھ سال چھوٹی تھی مگر باپ کی جلدی موت کے بعد وہ وقت سے پہلے سمجھدار ہو گئی تھی۔

اس لیے اس نے حرا کو بتانے کا فیصلہ کیا۔

مختصر الفاظ میں اس نے حرا کو سارا واقعہ سنا دیا۔ حرا نے خاموشی سے ساری بات سنی اسے سمجھ آگئی کہ حورام کی پریشانی کی اصل وجہ خواب میں بچے کا مرنا تھی۔ حورام کو بچے بہت پسند تھے۔

اسے تو بچوں کا رونا بھی برداشت نہیں ہوتا تھا۔ اور یہاں خواب میں اس نے اپنے بچے کے متعلق ایسا دیکھا اس لیے وہ گھبرا گئی تھی۔

" کیا ہو گیا ہے حورام وہ صرف ایک خواب تھا تم نے ضرور رات میں ایسا کچھ دیکھا یا پڑھا ہو گا جس کی وجہ سے تمہیں ایسا خواب آیا۔ ریلیکس رہو خواب کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور ویسے بھی خواب بتانے سے اس کی تعبیر الٹی ہو جاتی ہے تو تم بس ریلیکس کرو۔ بلکہ چھوڑو اس خواب کو تمہیں پتہ ہے آج ماریہ آپی آرہی ہیں۔ تائیشہ اور ایشان بھی آرہے ہیں۔"

حرا نے یہ بات حورام کا دھیان بٹانے کے لیے بتائی تھی اور وہ اپنی کوشش میں کامیاب بھی ہو گئی۔

تائشہ اور ایشان کا نام سن کر وہ خوش ہو گئی۔ ویسے بھی دونوں بچے ان کے بہت کلوز تھے۔ ان کو سنبھالنا مشکل نہیں تھا۔

تائشہ 3 سال کی تھی جب کہ ایشان اٹھ مہینے کا تھا۔ وہ کافی تنگ کرتا تھا اس کو سلانا ایک مشکل کام تھا جو وہ تینوں کر لیتی تھیں۔

ماریہ کی والدہ رافیہ بھی آبان شاہ کی بیٹی تھیں۔ مگر وہ آبان شاہ کی بہن زکیہ جو کہ بے اولاد تھیں ان کے پاس پلی بڑھی تھیں۔ پھر جب وہ جوان ہوئیں تو ان کی شادی زکیہ نے اپنے شوہر کے بھتیجے فاران سے کر دی۔

فاران کے ماں باپ کا انتقال ایک ایکسیڈنٹ میں ہوا تھا جب وہ اکیس سال کے تھے۔ ماں باپ کے انتقال کے بعد وہ چچا چچی کے پاس رہنے آ گئے۔ تب ان کو رافیہ پسند آئیں۔ اور ان کی پسندیدگی دیکھتے ہوئے زکیہ نے ان کی شادی کردی۔ ماریہ کی پیدائش کے تین سال بعد زکیہ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد وہ لوگ اینگلینڈ چلے گئے۔

ماریہ کی شادی پاکستان میں ہی ہوئی تھی۔ رافیہ اور فاران بیچ میں ملنے آتے رہتے تھے۔ ماریہ کے علاوہ ان کا ایک اور بیٹا بھی تھا شان۔ وہ بھی ان کے ساتھ رہتا تھا۔

ماں باپ کی غیر موجودگی میں ماموں کا گھر ہی اس کا میکہ تھا جہاں اس سے زیادہ آتے ہوئے تائشہ خوش ہوتی تھی۔ وہاں اس کو میکے والا مان ہی ملتا تھا اس کے دونوں بچے سب گھر والوں کے لاڈلے تھے۔ مہرہ اور حرا کی اس سے بہت بنتی تھی مگر حورام کم ہی بات کرتی تھی۔ حورام مذاق بھی ایک حد تک کرتی تھی اس سے جبکہ مہرہ اور حرا اس کی صحیح درگت بناتی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماریہ کے آنے کا سنتے ہی حورام تیار ہونے چلی گئی۔ کچھ دیر بعد ابو(تایا)، بابا اور حمدان بھائی بھی آ گئے۔ ارباس صاحب اور حمدان آفس چلے گئے۔ جب کہ آفتاب صاحب ناشتہ لینے۔

اتنے میں ماریہ بھی آ گئی۔ تائشہ جیسے ہی اندر آئی حورام کو سامنے دیکھ کر اس کی گود میں چڑھ گئی جب کہ ایشان کو حرا نے اٹھا لیا۔ بچوں کو لے کر وہ دونوں حورام کے کمرے میں بیٹھ گئیں۔ اتنے میں مہرہ بھی آ گئی۔ اور وہ تینوں بچوں کے ساتھ مصروف ہو گئیں۔

"میں تم دونوں کو بتا رہی ہوں کہ آج ہر حال میں تیار ہو جانا ورنہ جوتے کھاؤ گی مجھ سے"

حرا نے ان دونوں کو کہا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ان دونوں کا تیار ہونے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

"اچھا..... ٹھیک ہے۔"

خلاف توقع وہ دونوں مان گئیں۔ اتنے میں ناشتہ بھی آ گیا۔ ناشتہ کرنے کے بعد وہ تینوں تیار ہوئیں، تصویریں لیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عید کی نماز پڑھ کر آتے ہی وہ لوگ لائونج میں بیٹھ گئے۔ عائزہ نے کھیر بنائی تھی۔ ابھی وہ سب لوگ باتوں کے درمیان کھیر سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

کچھ دیر بعد عائزہ اور سجاد اٹھ گئے۔ کیونکہ ان کی دعوت تھی عائزہ کے گھر۔ اس لیے وہ لوگ تیار ہونے چلے گئے۔

اب لاونج میں صرف قاسم صاحب اور جہان تھے کیونکہ سلما بیگم بھی کچن میں کھانے کا انتظام دیکھنے چلی گئیں۔ جہان ان کو تیمور خان کے بیٹے کے کیس کے بارے میں بتا رہا تھا۔

ابھی وہ لوگ بات کر رہے تھے کہ صائمہ بیگم (سلما بیگم کی بہن) اپنی بیٹی رانیہ کے ساتھ آگئیں۔ ان دونوں کو دیکھ کر جہان کے چہرے پر ناپسندیدگی آگئی۔ جس پر قاسم صاحب نے اسے گھورا۔ اتنے میں سلما بیگم بھی کچن سے باہر آگئیں۔

جہان بھی مروت کے ہاتھوں مجبور ہو کر ملا۔ وہ لوگ لاوئنج میں ہی بیٹھ گئے۔ سجاد اور عائزہ بھی ان سے مل کر نکل گئے۔

"ارے میری بیٹی کتنی پیاری لگ رہی ہے۔ مجھے بے صبری سے انتظار ہے اس دن کا جب تم ہمیشہ کے لیے اپنی خالہ کے پاس آجاؤ گی۔"

سلما بیگم نے تانیہ کو لاڈ سے کہا جس پر قاسم صاحب نے ان کو گھورا جسے سلما بیگم نے نظر انداز کیا۔ جہان کو غصہ آنے لگا جسے وہ ضبط کیے بیٹھا رہا۔

"ہاں تو تمہاری بیٹی ہے سلما جب چاہو لے جاؤ۔"

صائمہ بیگم نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں آپا۔ آپ فکر نہ کریں جلد ہی میں اسے اپنے جہان کی دلہن بنا کر لاؤں گی۔"

انھوں نے بات نہیں کی بلکہ جہان کا ضبط آزمایا۔ جبکہ ان کی بات پر جہان جو خاموشی سے ان کی باتوں کو برداشت کر رہا تھا غصے سے کھڑا ہو گیا۔ قاسم صاحب کچھ نہیں بولے ان کو سمجھ آگئی تھی کہ اب تھوڑی دیر میں دونوں ماں بیٹا کے درمیان تیسری عالمی جنگ شروع ہو جائے گی۔

"ویسے مجھے آپ پر حیرت ہوتی ہے خالہ."

جہان طنزیہ انداز میں بولا۔

"کیوں بیٹا جی؟"

Hooria AHMAD
WRITING STORIES • SHARING THOUGHTS • INSPIRING MINDS

انھوں نے نا سمجھی سے پوچھا۔

"آپ کیسے اپنی اکلوتی نازوں پلی بیٹی کی شادی ایک پہلے سے شادی شدہ مرد سے کروا سکتی ہیں۔"

جہان نے ان کو کچھ جتانا چاہا جو وہ سمجھ گئیں۔

"جہان بس کرو۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ اس رشتے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔"

سلما بیگم نے اس کو منع کرنا چاہا۔

"آپ کی نظر میں نہ سہی مگر میرے لیے اس رشتے کی بہت اہمیت ہے۔"

اس نے اپنی بات پر زور دیتے کہا۔

"بچپن میں کیے جانے والے رشتوں کا کوئی وجود نہیں ہوتا سمجھے اور جلد ہی یہ رشتہ میں ختم کرنے والی ہوں سمجھے۔"

وہ بول نہیں رہی تھیں بلکہ اپنے لفظوں سے اس کو تکلیف پہنچا رہیں تھیں۔

"امام بس کیجیے خدا کا واسطہ ہے بس کیجیے۔"

وہ بولا نہیں چیخا تھا جس پر قاسم صاحب نے اس کا بازو پکڑ کر اسے روکنا چاہا۔

"نہیں بابا مت روکیں مجھے۔ میں ان کو آج کچھ باتیں واضح الفاظ میں سمجھانا چاہتا ہوں۔ پہلی بات یہ کہ وہ کوئی منگنی یا بات پکی نہیں ہوئی تھی بلکہ باقائدہ نکاح ہوا تھا۔ اور نکاح کوئی عام رشتہ نہیں ہوتا۔ آپ کیوں نہیں سمجھ رہیں کہ جو آپ چاہ رہی ہیں وہ نہیں ہو سکتا۔"

جہان بے بسی سے بولا۔

"بچپن کے نکاح کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔"

وہ بھی کہاں پیچھے رہنے والی تھیں۔

"نکاح بچپن کا ہو یا جوانی کا۔ ہوتا ایک مضبوط رشتہ ہے۔ اور آپ مانیں یا نہ مانیں حناع میرے نکاح میں ہے اور وہی رہے گی۔ یہ رشتہ میں کبھی بھی ختم نہیں ہونے دوں گا نہ آج نہ کل اور خالہ آپ بھی ایک بات سمجھ لیجیے میں کبھی بھی آپ کی بیٹی سے شادی نہیں کروں گا۔ کیونکہ میری ایک عدد منکوحہ پہلے سے ہے اور وہی میری بیوی بنے گی۔ "

اپنی کہہ کر وہ گھر سے ہی باہر چلا گیا۔

"میں نے سمجھایا بھی تھا تمہیں مگر تمہیں کہاں سمجھ آتی ہے۔۔۔۔۔۔ دیکھ لو انجام اور ایک بات اور جہان کے ساتھ ساتھ میں بھی یہ رشتہ کبھی ختم نہیں ہونے دوں گا۔ اس گھر کی بہو حناع ہی بنے گی۔"

قاسم صاحب بھی اٹھ کر چلے گئے۔ مگر سلما بیگم کسی صورت اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹنے والی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات جہان کی واپسی کافی دیر سے ہوئی۔ سلما بیگم کی باتوں سے وہ ڈسٹرب ہو گیا تھا۔

دماغ میں ایک ہی بات چل رہی تھی اور وہ یہی تھی کہ وہ کسی صورت بھی یہ رشتہ ختم ہونے نہیں دے سکتا تھا۔

اسے اپنی منکوحہ سے کوئی طوفانی محبت یا عشق نہیں تھا۔ بچپن سے اس کو اپنے نکاح کا پتہ تھا اس لیے اس کی نظر میں اس کی اہمیت تھی۔ دل میں محبت بھی تھی اور وہ محبت عزت اور احترام والی تھی۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ قاسم صاحب سے بات کرے گا کہ وہ اس کے سسرال والوں سے بات کریں۔

گھر اس کی واپسی کافی دیر سے ہوئی۔ آج کی بحث کے بعد اس نے واپس جانے کا سوچ لیا تھا۔

گھر آتے ہی اس کو قاسم صاحب لون میں ٹہلتے نظر آئے۔ جانتا تھا کہ وہ اسی کا انتظار کر رہے ہیں۔

" کیوں جاگ رہے ہیں آپ۔ کافی رات ہو گئی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اتنی دیر تک مت جاگا کیجیے."

اس نے ان کی صحت کی وجہ سے کہا۔

"مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔۔۔۔۔۔۔ میں کل شہر آئوں گا اور جا کر بات کروں گا ان لوگوں سے۔

وسے مجھے پتہ ہے کہ وہ نہیں مانے گا۔ تمہاری ماں نے جو باتیں پھیلائی ہوئیں ہیں نہ اس کی وجہ سے وہ مشکل ہی ہے کہ وہ مانے اور اگر وہ مان بھی گیا تو بھابھی نہیں مانیں گی۔ وہ کسی صورت بھی اپنی بیٹی کو ایسی جگہ نہیں بھیجیں گی۔ جہاں اس کو باتیں سننے کو ملیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

انھوں نے اس کو پہلے ہی نتائج سے آگاہ کرنا چاہا۔

جس کی وجہ سے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی خاموش رہ گیا۔

"میں کل صبح جا رہا ہوں واپس۔ کچھ کام پڑا ہے۔"

قاسم ہاشمی نے صرف سرہلانے پر اکتفا کیا کیونکہ ان کو پتہ تھا کہ آج کی تلخ کلامی کے بعد وہ ہرگز مزید نہیں رکے گا۔

کبھی کبھی ان کو سلمابیگم پر شدید غصہ آتا تھا جو بلا وجہ کی سٹیٹس کانشس تھیں۔ انھوں نے جان بوجھ کر رشتے داروں میں یہ باتیں پھیلائی ہوئیں تھیں کہ وہ جہان کی شادی اپنی بھانجی رانیہ سے کریں گی۔ قاسم صاحب جانتے تھے کہ یہ باتیں دوسری طرف پہنچ چکی ہوں گی۔ اور یہ رشتہ ہونا مشکل ہے۔

جہان تو اپنے کمرے میں چلا گیا مگر قاسم صاحب سوچ میں پڑ گئے تھے۔ اب تو انھیں لگنے لگا تھا کہ انھوں نے بچپن میں جہان کا نکاح کروا کر غلط کیا۔

یہ رشتہ انھوں نے کروایا تھا۔ ان کے دوست نے ان کو رشتے سے انکار کیا تھا مگر انھوں نے ان کو بہت سی دلائل، قسموں اور وعدوں سے منایا تھا۔ اس لیے اگر یہ رشتہ ٹوٹتا تو مطلب تھا کہ ان کا وعدہ ٹوٹا اور وعدہ ٹوٹنے پر وہ ضرور گناہ گار ہوتے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کو بیٹی کے ماں باپ کی آہ لگے۔

ایک دم سے انھوں نے فیصلہ بدلا۔ کل کے بجائے وہ ابھی بات کرنے کا سوچ رہے تھے۔ اس لیے وہ لائونج میں جا کر بیٹھ گئیے۔ اپنا فون نکالا اور بہت ہمت جمع کرتے ہوئے نمبر ملایا۔

دوسری طرف کال جا رہی تھی۔ مگر کوئی فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ انھوں نے دو تین دفع کال ملائی پھر چوتھی کال پر فون اٹھا لیا گیا۔

"السلام و علیکم!"

دوسری طرف سے کسی لڑکی کی آواز آئی۔ کچھ وقت کے لیے وہ خاموش ہو گئے۔

"کون بات کر رہا ہے۔۔۔۔۔۔۔"

ان کو حیرت ہوئی اس سوال پر۔

"وعلیکم و السلام!"

انھوں نے بمشکل جواب دیا۔

"جی"

اجنبی لہجہ۔ ان کو دکھ ہوا۔

"بیٹا آپ کے بابا کہاں ہیں۔"

انھوں نے سوال کیا۔

"انکل وہ تو نماز پڑھ رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ آپ کو کوئی میسج دینا ہو تو مجھے بتا دیجیے میں ان کو بتا دوں گی۔۔۔۔۔۔"

ابھی وہ مزید کچھ بولتی کہ انھوں نے فون کاٹ دیا۔ ان کا دکھ مزید بڑھ گیا۔

کہاں وہ ان کی آواز آرام سے پہچان لیتی تھی اور ان کو چاچو کہا کرتی تھی۔ اور آج وہ اپنے چاچو کو نہیں پہچانی۔ ان کا رنج اور بڑھ گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اپنے گاؤں آنے کا فیصلہ ان کو اب غلط لگنے لگا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عید کا پہلا دن بہت اچھا گزرا۔ تائشہ اور ایشان کی وجہ سے پورا دن وہ خواب اس کے دماغ میں نہیں آیا۔

مگر ماریہ اور بچوں کے جاتے ہی اسے پھر سے خواب الجھانے لگا۔ اب کی بار مہرہ نے بھی اس کا الجھا ہونا نوٹ کیا۔

"حورام کیا مسئلہ ہے اتنا لٹکا ہوا منہ کیوں بنایا ہوا ہے۔"

مہرہ اس کو کافی دیر سے نوٹ کر رہی تھی اس لیے پوچھ لیا۔

"تمہیں بتانے کا کیا فائدہ، تم تو میرا مذاق ہی اڑائو گی۔"

حورام نے تپ کر کہا۔ وہ مہرہ کو اچھے سے جانتی تھی، اسے پتہ تھا کہ وہ اس کا مذاق اڑائے گی اس لیے اسے بتانے کا حورام کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

"اچھا پرومس کچھ فضول نہیں بولوں گی۔ تم بتائو۔"

اس نے شرافت کا مظاہرہ کرتے کہا مگر اس کی شرافت پر حورام کو یقین نہیں تھا۔

اس سے پہلے وہ انکار کرتی حرا نے اسے بتا دیا۔

اور پھر حورام کی توقع کے عین مطابق مہرہ نے اس پر ہنسنا شروع کر دیا۔

"اچھا پھر تو تم نے اپنے میاں کو چہرہ بھی دیکھا ہو گا۔۔۔۔۔۔۔ کیسا تھا؟ ہینڈسم تھا؟ بتائو نا۔"

مہرہ نے ہمیشہ کی طرح فضول سوال کرنا شروع کر دیے۔ جس پر حورام نے حرا کو گھورا اور حرا نے معصوم شکل بنا لی۔

"بتائو نہ حورام کیسا تھا تمہارا میاں۔۔۔۔۔"

مہرہ کی سوئی ابھی تک میاں والی بات پر ہی اٹکی تھی۔

"او بس کر دے اللہ کی بندی۔۔۔۔ کان کھا گئی ہو تم میرے۔۔۔۔ بولا تو ہے شکل نہیں دیکھی میں نے۔۔۔۔۔۔"

حورام چڑ کر بولی۔

"میں تو کہتی ہوں بندہ شریف، ہینڈسم، خوبصورت، امیر، ویل ایجوکیٹڈ اور ایسا ہو جو میرے ساتھ کھڑا ہوتے اچھا لگے."

مہرہ نے اپنی خواہش بتائی جس کا حورام اور حرا کو پہلے سے پتہ تھا۔

"صورت نہیں نصیب مانگنا چاہیے۔ کیونکہ کبھی کبھی خوش شکل، خوش نصیب والوں کے غلام ہوتے ہیں۔

ہم لڑکیوں کے لیے اچھا نصیب ضروری ہوتا ہے۔

اور سیرت اچھی ہونی چاہیے۔ صورت کی اتنی اہمیت نہیں ہے۔

ایک حسین بدکردار شخص سے بہتر ایک نیک اور عام شکل کا شخص ہے۔"

حورام نے اپنی ہمیشہ کہنے والی بات کی۔

"یار تم اسے بول کر مجھے برا ثابت کرتی ہو۔۔۔۔۔۔۔مجھے تو لگتا ہے کہ جتنا تم کہتی ہو نہ کہ شکل بیشک نہ ہو ایسا نہ ہو کہ تمہیں پرفیکٹ مل جائے اور ہمیں کوئی فارغ سا مل جائے۔"

مہرہ کی بات پر حرا اور حورام قہقے مار کر ہنسنے لگیں۔ مہرہ کی کمزوری خوبصورتی تھی اس کو ہمیشہ سے پرفیکٹ کی خواہش تھی۔ جس پر حورام اسے اکثر ٹوکتی تھی۔

"ہر انسان پرفیکٹ نہیں ہوتا۔ کوئی نہ کوئی کمی ہر کسی میں ہوتی ہے۔"

حورام کی اس بات پر کبھی کبھی وہ تپ جاتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے ان لوگوں کی دعوت تھی آفتاب شاہ وغیرہ کے ننھیال میں۔ جہاں جاتے ہوئے سب سے زیادہ مسئلہ حورام کو ہوتا تھا۔

ابھی بھی جب ماہم بیگم نے آکر ان کو کل کی دعوت کا بتایا تو سب سے پہلے حورام کا منہ بنا۔

"میں نہیں جا رہی۔۔۔۔۔۔۔ عجیب گونگا بن کر بیٹھنا پڑتا ہے۔" حورام نے پہلے ہی انکار کر دیا۔

"کیوں کیا موت پڑی ہے تمہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ نہیں مسئلہ کیا ہے تمہارا کیوں منع کر رہی ہو۔۔۔۔ تمہیں پتہ ہے نہ کہ اگر تم نہیں جاؤ گی تو ہمیں بھی کوئی نہیں جانے دے گا۔"

مہرہ کو تو اپنے جانے کی پڑی تھی اور یہی حال حرا کا بھی تھا۔ وہ دونوں گھومنے پھرنے کی شوقین تھیں۔ بقول ارباس شاہ کے "پھرن ترن دے شوقین۔"

جب کہ حورام آدم بیزار تھی۔ وہ باہر جانے سے زیادہ گھر رہنے کو ترجیح دیتی تھی۔ تھوڑی ڈرپوک بھی تھی۔

مردوں سے زیادہ خوف کھاتی تھی۔

مہرہ اور حرا بہادر تھیں۔ میل کزنز سے باتیں بھی کر لیتی تھی۔ اور لڑتی بھی تھیں۔ جبکہ حورام اپنی ڈرپوک اور شائے نیچر کی وجہ سے نہ میل کزنز سے بات کرتی تھی اور نہ گھلتی ملتی تھی۔ لڑنا تو دور کی بات تھی۔

اس نے گرجویشن کے لیے بھی گرلز کالج جانے کا فیصلہ کیا۔ ہر کسی نے اسے یونیورسٹی جانے کا کہا مگر اس کی تان ایک ہی بات پر اٹکی تھی۔

"یونیورسٹی میں لڑکے ہوتے ہیں اور مجھے لڑکوں سے ڈر لگتا ہے۔"

اس بات پر ہمیشہ وہ مہرہ اور حرا سے زلیل ہوتی تھی۔

اگلے دن بڑی مشکل سے وہ لوگ اسے منا کر لے گئے۔

ماریہ بھی بچوں کے ساتھ وہاں آگئی اور حورام کو وہاں بھی دونوں بچوں کی صورت میں انٹرٹینمنٹ مل گئی۔

مہرہ اور حرا چھت پر پکچرز لینے چلی گئیں اور اس کو بھی بلوا لیا۔ ایشان حورام کی گود میں تھا۔ جبکہ تائشہ کو مہرہ پہلے ہی لے گئی تھی۔

ایشان کو لے کر حورام سیڑھیاں تو چڑھ گئی مگر اب اس کو اپنے دونوں پاؤں اور بائیں سائڈ کا گٹھنا دکھتا محسوس ہونے لگا۔

کچھ دیر بعد درد مزید بڑھ گیا اور ناقابل برداشت ہو گیا۔

تو اس نے آفتاب صاحب سے واپس جانے کا کہا۔

گھر آکر اس کے پیروں کا تو درد ختم ہو گیا مگر اس کی ٹانگ میں کافی درد ہو رہی تھی۔ ہائی ہیل پہن کر سیڑھیاں چڑھنے کے باعث اس کی گھٹنے میں درد شروع ہو گئی۔

بقول حورام کے کہ اس کا گٹھنا سوج گیا ہے۔ جبکہ نائمہ بیگم کو ایسا نہیں لگا۔ مگر اس کا درد کم کرنے کے لیے انھوں نے درد کم کرنے والی کریم لگا دی اور گرم پٹی بھی کر دی۔

اب وہ کب سے بیٹھی آفتاب صاحب کا دماغ کھا رہی تھی۔

"پاپا کل میری برتھڈے ہے اور آج یہ درد نکل آیا۔ میں کیسے انجوائے کروں گی کل کا دن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میرا کل کا دن خراب ہو جائے گا۔۔۔۔۔۔۔"

بیچارے آفتاب صاحب اسے کب سے تسلی دے رہے تھے

"میرا بچہ آپ فکر مت کرو۔ درد ٹھیک ہو جائے گا۔" مگر اس کی سوئی اسی بات پر اٹکی تھی کہ کل اس کی برتھڈے کا دن خراب جائے گا۔

نائمہ بیگم کے کمرے میں آتے ہی وہ ان کا دماغ کھانے لگ گئے۔ انھوں نے بھی تسلی دینے کی کوشش کی مگر وہ چپ نہیں کر رہی تھی۔ آخر میں انھوں نے اسے ڈانٹ کر چپ کرایا۔

"بس کر دو حورام۔ چپ کر جائو۔۔۔۔۔ کب سے فضول بولی جا رہی ہو۔۔۔۔۔۔ گٹھنا تمہارا تمہاری اپنی وجہ سے خراب ہوا ہے۔۔۔۔۔ منع کیا تھا تمہیں میں نے کہ مت پہنو ہیل مگر تم حد درجہ ڈھیٹ لڑکی ہو نہیں مانی تم نے میری بات۔۔۔ اب بھگتو۔"

ان کی ڈانٹ پر وہ چپ ہو گئی اور دوسری طرف رخ کر کے رونا شروع ہو گئی۔ اب یہ رونا درد کی وجہ سے تھا یا ڈانٹ کی وجہ سے یہ تو اسے خود بھی نہیں پتہ تھا۔

البتہ اب نائمہ بیگم کی کلاس لگ چکی تھی آفتاب صاحب سے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جہان صبح ہی واپس آگیا تھا۔ ابھی وہ فریش ہو کر بیٹھا ہی تھا کہ اس کے فون پر کال آنے لگی۔

اس نے فون آٹھایا تو عمار کا نام سکرین پر نظر آرہا تھا۔

عمار اس کا بیسٹ فرینڈ تھا۔ وہ بینک میں اچھی پوسٹ پر تھا۔

اس نے کال اٹینڈ کی اور فون کان سے لگایا۔

"بدتمیز انسان کوئی شرم ہوتی ہے کوئی حیا ہوتی ہے پر تم کیا جانو وہ کیا ہوتی ہے۔"

نہ سلام نہ جواب سیدھا شکوہ۔ یہ عمار بھٹی کا انداز تھا جب بھی وہ اس سے ناراض ہوتا۔

"اب کیا ہو گیا۔ کیوں سڑا ہوا ہے۔"

بے نیازی سے پوچھا گیا۔ جب کہ اس کا یہ انداز عمار کو تپا گیا۔

"ہاں میں ہی بے وقوف ہوں جو اپنے دوست سے ملنے کے لیے مرا جا رہا ہوں جب کہ دوست صاحب کو کوئی احساس ہی نہیں۔ ٹھیک ہے بھئی۔۔۔۔۔۔ دوست دوست نہ رہا، پیار پیار نہ رہا۔"

ہمیشہ کی طرح عمار کی ایکٹنگ شروع ہو گئی تھی۔

"ارے میرے یار غصہ نہ کر۔ تو ہی تو میرا ایک دوست ہے۔ میں ملنے کا ہی سوچ رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

جہان نے اب کی بار شرافت کا مظاہرہ کیا۔

"بس بس پتہ ہے مجھے۔ یہ تو مجھے چپ کرانے کے لیے کہہ رہا ہے۔ میں کال نہ کروں تو تو بھی کال نہیں کرتا۔"

عمار کے گلے شکوے شروع ہو گئے تھے۔

"یار سچ کہہ رہا ہوں مصروف تھا، اس لیے کال نہیں کر سکا۔ چل چھوڑ کہیں ملتے ہیں۔ بتا میرے فلیٹ آئے گا یہ کہیں باہر چلیں۔"

جہان نے اسے مشورہ دیا۔ پھر کچھ دیر بعد ان کا پروگرام ڈن ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ دونوں کسی ریسٹورینٹ میں بیٹھے تھے۔ جب وہاں سے ایک بولڈ لڑکی گزری۔ عمار نے اسے دور تک جاتے دیکھا اور اس کی یہ حرکت جہان نے نوٹ کر لی۔

"تیری آئیڈیل ٹائپ کیا ہے۔"

جہان نے اس کی حرکت نوٹ کرتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔

"یار میری بیوی وہ بنے گی جو اچھی، شریف، خوبصورت اور کانفیڈینٹ ہو۔ جو میرے ساتھ کھڑی ہوئی اچھی لگے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تجھے کیسی بیوی چاہیے۔"

عمار نے اب کی بار اس سے پوچھا۔

"مجھے سادہ سی نیک سیرت بیوی چاہیے۔۔۔۔۔"

جہان نے کسی خیال کے تحت کہا۔

"اور صورت کا کیا۔۔۔۔۔۔"

عمار نے ایک اور سوال پوچھا۔

"صورت سے زیادہ سیرت کی اہمیت ہوتی ہے۔ بہت سی اچھی صورتوں کی سیرت اچھی نہیں ہوتی۔۔۔۔۔۔ ایک خوبصورت بد کار عورت سے بہتر ایک عام شکل کی نیک سیرت عورت ہے۔"

جہان نے اپنی سوچ بتائی۔

"یار تو تو ایسے بول کر مجھے برا ثابت کر رہا ہے۔"

عمار نے منہ بناتے کہا۔

"میں صرف اپنی سوچ بتا رہا ہوں۔۔۔۔۔۔۔ تو نے اپنی آئیڈیل ٹائپ بتائی اور میں نے اپنی۔"

Hooria AHMAD

جہان نے اطمینان سے جواب دیا۔

"مگر تیری وہ کزن جو آنٹی کو تیرے لیے پسند ہے وہ تو بالکل مختلف ہے۔"

عمار نے حیرانگی سے پوچھا کیونکہ جہاں تک اسے پتہ تھا اس کی شادی اس کی ماں اپنی بھانجی سے کروانا چاہتی تھیں۔

"تو تجھے کس نے کہا کہ میری اس سے شادی ہو گی۔ میں الحمداللہ پہلے سے نکاح شدہ ہوں۔"

جہان کی بات پر جوس پیتے عمار کو کھانسی کا دورا پڑ گیا۔

"ی۔۔۔ہ۔۔یہ۔۔۔یہ کب ہوا اور تو نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔"

عمار کو تو یہی سمجھ نہیں آئی کہ یہ سب ہوا کب۔

"میرا نکاح بہت چھوٹی ایج میں ہوا تھا اور اس وقت میں بارہ سال کا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جہان نے اس کو پوری تفصیلات بتائیں جو عمار صدمے کی حالت میں سن رہا تھا اور اس کی بونگی شکل دیکھتے ہوئے جہان کو بہت ہنسی آ رہی تھی۔

باتوں باتوں میں ہی اس کی نظر ہوٹل کی اینٹرینس پر پڑی اور جو دیکھا وہ اسے حیران کرنے کے لیے کافی تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

درد کی وجہ سے حورام کافی چڑچڑی ہو رہی تھی۔ ورنہ اپنی ہر برتھڈے پر وہ سب سے زیادہ پر جوش ہوتی تھی۔

اس کی برتھڈے پر نائمہ بیگم گھر پر کچھ اچھا سا بناتی تھیں اور ان تینوں کی چھوٹی سے پارٹی ہو جاتی تھی۔

مگر اس بار عید پر کاموں کی وجہ سے وہ کچھ بنا نہ سکیں۔

حرا حورام کو اچھی سی شرٹ گفٹ کر چکی تھی مگر مہرہ کو کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی۔ اس لیے اس نے حورام سے پوچھا مگر حورام نے یہ کہہ کر اپنی جان چھڑوالی کہ جو دل کرے دے دو۔

Hooria AHMAD
WRITING STORIES • SHARING THOUGHTS • INSPIRING MINDS

پھر مہرہ نے اسے کہیں باہر کھانا کھلانے کا سوچا اس سے حورام کا موڈ بھی ٹھیک ہو جاتا اور وہ تھوڑی فریش بھی ہو جاتی۔

اس لیے انھوں نے آؤٹنگ کا پلان بنایا۔ یہ آؤٹنگ ایک طرح کا گفٹ تھا۔ حورام کے لیے مہرہ کی طرف سے۔

پہلے حورام نے انکار کیا کہ اسے چلنے میں مسئلہ ہو گا مگر مہرہ اور حرا نے اس کو تسلی دی کہ وہ دونوں کو اس کی مدد کریں گی۔ ماہم بیگم ان کے ساتھ گئیں۔

ہوٹل پہنچتے ہی مہرہ اور حرا نے اس بیچاری کو دھوکا دیا۔

فیملی حال نیچے ہونے کے باعث حورام کو سیڑھیاں اترنی پڑی مگر اس وقت مہرہ اور حرا اس کو چھوڑ کو خود جا کر اندر بیٹھ گئیں۔ ان دونوں کی حرکت پر ماہم بیگم کو ہنسی آئی جبکہ حورام نے دل ہی دل میں ان دونوں کو خوب القابات نوازے۔

لنچ کے دوران حورام کو بہت بار محسوس ہوا کہ کوئی اسے نوٹ کر رہا ہے مگر اس نے زیادہ دیھان نہ دیا۔

ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کو سوشل اینگزائٹی تھا۔

(سوشل انزائٹی کا مطلب ہے دوسروں کے سامنے گھبراہٹ یا خوف محسوس کرنا۔ یہ ایک ایسی کیفیت ہے جس میں انسان لوگوں کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے یا محفل میں شامل ہوتے ہوئے نروس اور بے چین ہو جاتا ہے۔ اسے لگتا ہے کہ لوگ اسے منفی انداز میں دیکھیں گے، ہر کوئی اسے نوٹ کر رہا ہے یا اس پر ہنسیں گے، جس کی وجہ سے وہ اکثر سماجی موقعوں سے دور بھاگتا ہے یا وہاں جاتے ہوئے بہت پریشان ہو جاتا ہے۔)

حورام بھی لوگوں میں کم گھلتی تھی اور زیادہ باہر بھی نہیں جاتی تھی۔ سب گھر والے یہ بات جانتے تھے۔ باہر والوں کو اس بارے میں علم نہیں تھا۔

اس کے بعد وہ لوگ سامنے آئسکریم پارلر چلے گئے۔ آئیسکریم کھا کر وہ لوگ گھر واپس آگئے۔ حورام کا موڈ بھی کافی حد تک بہتر ہو گیا تھا۔ وہ کافی خوش بھی تھی کہ اس کی برتھڈے کا دن اچھا گزرا۔

گھر جاتے ہی اسے باقی لوگوں کی طرف سے بھی گفٹس ملے۔ سارے گفٹس کے درمیان ایک بے نام سا گفٹ بوکس تھا جس پر بھیجنے والے کا نام نہیں لکھا تھا۔ اسے حیرت ہوئی۔ جب اس نے نائمہ بیگم سے پوچھا تو پہلے پہل وہ گھبرا گئیں مگر جلد ہی سنبھل کر بولیں۔

"میرے سٹاف کی طرف سے ہے۔"

وہ بہت خوش تھی اپنی زندگی میں مگر آنے والے طوفان سے بے خبر تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گھر آکر وہ کافی دیر عجیب سی کشمکش میں رہا۔ دل کی حالت عجیب ہو رہی تھی اور کیوں نہ ہوتی۔ جس کو آج تک اتنا دور سے دیکھا آج وہ کتنی قریب تھی اس کے۔ مگر اپنے اور اس کے درمیان رشتے سے لاعلم تھی۔

اب اس کو گاؤں جانے والے فیصلے پر افسوس ہو رہا تھا۔

ایک ماہ بعد:

حورام کے پیپرز کی ڈیٹ شیٹ آچکی تھی اس لیے وہ پوری توجہ سے پڑھائی میں مصروف ہو گئی تھی۔ اس کے گریجویشن کے پارٹ ٹو کے ایگزامز تھے۔

ایک تو وہ پڑھ بھی گورنمنٹ کالج میں رہی تھی جہاں پڑھائی نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ اس لیے وہ زیادہ فکر مند تھی۔

حورام کوئی بہت زیادہ لائک سٹوڈنٹ نہیں تھی وہ ایوریج بچی تھی۔ جس کی وجہ سے کبھی کبھی نائمہ بیگم اس پر دباؤ ڈالتی تھیں۔

مگر آفتاب صاحب ہمیشہ ان کو روک دیتے تھے ان کو پتہ تھا کہ ان کی بیٹی محنت کرنے والا بچہ ہے اس لیے اس پر دباؤ ڈالنے کی ضرورت نہیں۔

ہر بچے کا دماغ مختلف ہوتا ہے۔ اس مینٹل کیپسٹی مختلف ہوتی ہے۔ اس لیے وہ حورام کو فورس نہیں کرتے تھے اور نائمہ بیگم کو بھی یہی کہتے تھے۔

حورام اکثر بہت زیادہ فکرمند ہو جاتی تھی جس کی وجہ سے اس کی طبیعت پر بھی اثر ہوتا تھا۔

اسی چیز سے آفتاب صاحب اس کو روکتے تھے۔بیٹیوں کے معاملے میں باپ حساس ہو جاتے ہیں۔

ابھی بھی حورام پڑھنے میں مصروف تھی اور اسی وجہ سے اس نے صبح سے کچھ کھایا نہیں تھا۔

آفتاب صاحب کمرے میں آئے۔ ان کے ہاتھ میں کھانے کا شاپر تھا جس میں فرائڈ رائس تھے حورام کے فیورٹ۔

انھوں نے اسے وہ اپنے سامنے کھلائے تاکہ اس کے پیٹ میں کچھ جائے۔

جب تک اس نے کھانا ختم نہیں کیا۔ وہ اس کے پاس سے نہیں اٹھے۔

اس کے کھانا ختم کرتے ہی آفتاب صاحب چلے گئے۔

ابھی ان کو گئے کچھ دیر ہی ہوئی تھی کہ حورام کو گھبراہٹ شروع ہو گئی۔

اسے آج کل کچھ زیادہ ہی گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ ہر وقت ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کچھ برا ہونے والا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جہان کا کام مزید بڑھ گیا تھا۔ کیونکہ فیروز خان کے پرانے جرم بھی اس کے سامنے آرہے تھے۔ غریب لڑکیوں سے اپنا جی بہلا کر ان کو استعمال کر کے پھینکنا اس کا پسندیدہ کام تھا۔

اگر کوئی اس کے خلاف ایف آئی آر کٹواتا تو اس کا باپ بڑی آسانی سے وہ کیس بند کروا دیتا نا جانے کتنی لڑکیوں کی زندگی وہ برباد کر چکا تھا اور اس کی آڑ میں اس کے دوست بھی دھڑلے سے یہ درندگی سر انجام دیتے تھے۔

اب تو یہ کیس جہان کے لیے مزید اہم ہو گیا تھا۔

اس نے ٹھان لی تھی کہ وہ کسی طرح بھی تیمور خان اور اس کے بیٹے فیروز خان کو سب کے سامنے بے نقاب کرے گا۔

بس اب انتظار تھا تو صرف فیروز کی ایک غلطی کا۔

جہان نے اس کے پیچھے دو سے تین بندے لگا دیے تھے جو اس کی پل پل کی خبر رکھتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حورام کا لاسٹ پیپر تھا جس دن اس کا کزن ماریہ کا بھائی شان پاکستان آیا۔

صبح سے ہر کوئی اسے شان کے آنے کا بتا رہا تھا۔ جس پر اس نے کوئی خاص ریسپانس نہیں دیا۔

وہ تو ویسے ہی کسی سے بات نہیں کرتی تھی اور شان چونکہ بہت سال بعد آیا تھا اس لیے حورام کو کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

اب کی بار نائمہ بیگم اس کے پاس کچن میں آئیں جب وہ اپنے لیے چائے بنا رہی تھی۔

"تمہیں پتہ ہے شان پاکستان آیا ہے۔"

نائمہ بیگم نے عام انداز میں کہا۔

"جی صبح سے آلموسٹ ہر کوئی مجھے یہ بات بتا چکا ہے۔ شان بھائی نہ ہو گئے کوئی منسٹر ہو گیا جس کی آمد کے سب خبر دے رہے ہیں۔ حد ہے بھئ۔"

حورام چڑ کر بولی۔

"چڑ کیوں رہی ہو۔۔۔۔۔۔۔۔ اچھا وہ شاید یہی رہے۔۔۔۔۔ کسی کام سے آیا ہے اس لیے ارباس بھائی نے اسے یہی روکنے کا کہا ہے۔۔۔۔۔۔ اپنا حلیہ اس دوران درست رکھنا۔"

نائمہ بیگم نے اسے پہلے ہی تنبیہ کی۔ جانتی تھی ان کی اولاد کا حال سر جھاڑ منہ پھاڑ والا ہے۔

گھر میں وہ انتہائی عام حلیے میں پھرتی تھی۔ عام کی جگہ فضول کہنا بہتر ہو گا۔

شرٹ کسی رنگ کی، شلوار کسی رنگ کی اور دوپٹہ کسی رنگ کا۔ بقول مہرہ اور حرا کے حورام تین رنگی بن کر پھرتی ہے۔

"اچھا ٹھیک ہے۔۔۔۔ دیکھ لوں گی۔"

وہ جان چھڑانے والے انداز میں بولی۔ بقول حورام کے وہ انڈین ڈرامہ ہیروئین نہیں جو گھر میں بھی بن ٹھن کر پھرے۔

نائمہ بیگم نے اسے گھورا جس کا اس نے کوئی خاص اثر نہیں لیا۔

"کون سا پیپر ہے اب تمہارا اور کب ہے؟"

نائمہ بیگم نے کسی سوچ کے تحت پوچھا۔

"لاسٹ ہے پرشین کا اور تین دن بعد ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ابھی وہ دونوں بات کر رہی تھیں جب باہر سے آوازیں آنا شروع ہوئیں۔ وہ دونوں باہر آئیں تو شان کو ماریہ بچوں کے ساتھ آتا دیکھا۔

حورام نے شان کو سنجیدگی سے دور سے سلام کیا جس کا اس نے بھی سنجیدگی سے جواب دیا۔ جب کہ مہرہ اور حرا بھی اسی طرح سنجیدگی سے ملیں۔

مہرہ اور حرا کی سنجیدگی کی وجہ یہ بھی تھی کہ شان کے بارے میں ایک بات ان کے کان میں پڑی تھی۔

وہ تینوں فاریہ شاہ سے قرآن حفظ کر رہی تھیں۔

جب انھوں نے کسی بات پر ٹوکتے ہوئے ان کو کہا کہ ان تینوں کی سوچ بہت بچگانہ ہے اور شان بھی یہی کہتا ہے کہ پاکستان کی لڑکیاں کہانیوں کی دنیا میں رہتی ہے اور بہت بچوں والی حرکتیں کرتی ہیں۔

یہ بات حرا اور حورام کے سامنے ہوئی تھی، مہرہ اس وقت کالج تھی۔ پھر اس کی واپسی کے بعد ان دونوں نے اسے یہ بات بتا دی جس پر ان لوگوں نے یہی فیصلہ کیا کہ اب سے وہ کسی کے سامنے بھی ہنسی مذاق نہیں کریں گی۔ پوری طرح سنجیدہ رہیں گی۔ تاکہ لوگ ان کے بارے میں کوئی رائے قائم نہ کر سکیں۔

یہ بات ان دونوں نے ماہم بیگم کو بھی بتائی جس پر انھوں نے یہی کہا کہ وہ خود اس معاملے کو دیکھ لیں گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ان کے گھر کا ماحول آئیڈیل موحول تھا۔ ان پر کسی قسم کی روک ٹوک نہیں تھی۔ بس ان تینوں کو ایک حدبتائی گئی تھی جس میں ان کو رہنا تھا۔

وہ تینوں بھی اتنی سمجھدار تھیں کہ وہ اس حد سے آگے نہیں جاتی تھیں۔ ماہم بیگم، سمیعہ بیگم اور نائمہ بیگم فخر سے دوسروں کے سامنے کہتیں تھیں کہ ان کو اپنی بچیوں کے کردار پر اس حد تک یقین ہے کہ وہ بلا جھجک ان کے کردار کی گواہی کے لیے قسم اٹھا سکتیں ہیں۔

حمدان میڈیا میں ہونے کی وجہ سے ہر طرح کے حالات سے واقف تھا جس کی وجہ سے وہ کبھی کبھار ان پر سختی کرنے کی کوشش کرتا تھا جس پر سب گھر والے اس کو یہ کہہ کر ٹوک دیتے تھے کہ ان کی بچیاں سمجھدار ہیں، اچھے برے کی تمیز ان کو ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج کے دور میں لوگ بلاوجہ اور فضول قسم کی پابندیاں اپنی بیٹیوں پر لگاتے ہیں جس کی وجہ سے لڑکیاں چور راستے ڈھونڈنے لگتی ہیں۔

آج کے دور میں سو میں سے ستر فیصد گھر سے بھاگنے والی لڑکیاں وہی ہوتی ہیں جن کے گھر میں گھٹا ہوا ماحول ہو۔ ایسی لڑکیوں میں سے بھی کوئی چار یا پانچ ہی ہوتی ہیں جن کو ہمسفر اچھا ملا ہو ورنہ باقی یا تو اپنی عزت گنوا دیتی ہیں یا بیچ دی جاتی ہیں یا مر جاتی ہیں۔

اس لیے ماں باپ کو چاہیے کہ اپنی بیٹیوں کو ایک حد دیں۔ نہ زیادہ پابندی لگائیں نہ زیادہ آزادی دیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مہرہ حرا اتنی سنجیدہ کھڑی تھیں کہ ان کی اتنی سنجیدگی پر بھی حورام کو ہنسی آرہی تھی۔

وہ دونوں کبھی زیادہ دیر سنجیدہ نہیں رہ سکتیں۔

"حورام حرا اگر تم لوگ فری ہو تو اس آفت کو سلا دینا پلیز۔ یہ رات کا جاگا ہوا ہے۔"

ماریہ نے اسے اس آفت کا بتایا۔ ایشان کو ماریہ آفت کہتی تھی کیوں کہ وہ کسی بندے کو سکون سے بیٹھنے نہیں دیتا تھا۔

"کوئی بات نہیں آپی میں سلا دوں گی اپنی چھوٹی سی جانو کو۔"

حورام دونوں بچوں کو روم میں لے گئی۔ تائشہ حرا کے ساتھ لگ گئی اور ایشان کو بھی گود میں اٹھا کر ٹہلنے لگی۔ جس کی وجہ سے وہ تھوڑی دیر میں سو گیا۔

کچھ دیر بعد شان کمرے میں آیا تائشہ کو دیکھنے کے لیے۔

حورام اور حرا نے اس کے آنے پر بھی توجہ نہیں دی۔

تین لوگوں کے کمرے میں ہونے کے باوجود خاموشی تھی۔ اس خاموشی کو شان نے توڑا۔

"کیا حال ہے آپ کا حورام ؟"

حرا کی جگہ سیدھا حورام سے سوال کیا۔

"اللہ کا شکر ہے۔۔۔۔۔آپ کیسے ہیں بھائی؟

نجانے کیوں شان کو لگا کہ حورام نے جان کر بھائی کہا ہے۔۔۔۔۔ جبکہ حقیقت بھی یہی تھی۔ حرا کو ہنسی آئی مگر اس نے اپنا چہرہ جھکا لیا۔

اسے مہرہ اور حرا کے ذریعے پتہ چلا کہ اس کے اور شان کی رشتے کی بات چل رہی ہے۔ حورام جانتی تھی کہ نائمہ بیگم کو شان بہت پسند ہے مگر اس کو شان ایک لائف پارٹنر کے روپ میں نہیں پسند تھا۔ مہرہ نے بہت پہلے ہی انکار کر دیا تھا جب شان کا رشتہ آیا تھا۔ منع تو حورام نے بھی کر دیا تھا مگر نائمہ بیگم بضد تھیں اس کے شان کے رشتے پر۔

ہر لڑکی کی طرح اس کی بھی آئیڈیل ٹائپ تھی جس پر شان پورا نہیں اترتا تھا۔

بظاہر شان ایک کمپلیٹ مرد تھا۔ ایک تو وہ پیدا بھی انگلینڈ میں ہوا تھا جس کی وجہ سے وہ پورا انگریز لگتا تھا۔ بقول نائمہ بیگم کے وہ ایک وجیہ مرد تھا۔

مگر حورام کو ظاہری خوبصورتی میں کوئی انٹرسٹ نہیں تھا۔ شان میں کچھ برائیاں بھی تھیں جن کو حورام چاہ کر بھی اگنور نہیں کر سکتی تھی۔

شان ایک نہایت تلخ انسان تھا۔ کسی نہ کسی بات پر طنز کرنے والا۔ لوگوں کی بات پکڑ کر محفل میں اس بات کا طعنہ مارنے والا۔ پاکستانی رشتے داروں کے بارے میں اپنی مرضی کی رائے نکالنے والا ایک بد لحاظ انسان۔

مزید کچھ کہے بغیر شان روم سے چلا گیا۔

وہ دوبارہ تائشہ کے ساتھ کھیلنے میں مصروف ہو گئی۔

کچھ دیر بعد مہرہ چہکتے ہوئے آئی۔

"جائو تمہیں خالہ بلا رہی ہیں۔"

(نائمہ بیگم اور سمیعہ بیگم کزنز تھیں اس لیے مہرہ اور حورام ایک دوسرے کی ماں کو خالہ کہتی تھیں۔)

مہرہ کا چہکنا اس بات کا گواہ تھا کہ نائمہ بیگم کا بلاوا اس کے لیے اچھا نہیں ہیں۔ ضرور وہ اس کو کوئی ایسا کام دینے والی تھیں جو اسے پسند نہیں تھا یا اس سے ہونے نہیں والا تھا۔

پھر کچھ دیر بعد اس کی سوچ پر یقین کی مہر لگ گئی جب نائمہ بیگم نے اپنا ریشمی سوٹ اس کے حوالے کیا استری کرنے کے لیے۔

ان کو شام میں کسی شادی پر جانا تھا جس کے لیے وہ سوٹ پریس کروا رہی تھیں حورام سے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

منہ بناتے ہوئے وہ کپڑے استری کرنے لگ گئی۔ پورا سوٹ اس نے ایک گھنٹہ لگا کر پریس کیا۔ مگر وقت خراب تھا یا یہ کہنا زیادہ بہتر ہو گا کہ حورام کی قسمت خراب تھی کہ عین وقت پر اس سے سوٹ کا دوپٹہ جل گیا۔

نائمہ بیگم جو کپڑوں کا پوچھنے آرہی تھیں۔ ان کی نظر جلے ہوئی دوپٹے پر جیسے ہی پڑی ان کا چہرہ دیکھ کر حورام کو سمجھ آگئی کہ اس کی شامت پکی ہے۔ اب اس کو خود کو سیف کرنا تھا اور گھر میں اس کا ایک ہی سیف ہائوس تھا جو فلحال گھر پر موجود تھے اور وہ تھے آفتاب شاہ۔

"پاپا"

حورام چیخی اور بھاگ کر آفتاب صاحب کے پاس چلی گئی۔ نائمہ بیگم بھی جوتا ہاتھ میں پکڑے پیچھے آئیں۔

آفتاب صاحب جو فون پر بات کر رہے تھے اس کے اس طرح چیخنے پر گھبرا گئے اور کال بند کرنا بھول گئے۔

"کیا ہوا حورام"

"پاپا حملہ ہوا ہے آپ کی معصوم بیٹی پر۔"

حورام بھرپور مظلومیت دکھاتی بولی۔

"کیا مطلب"

آفتاب صاحب نے حیرانی سے پوچھا۔

"آپ کی بیگم میں چنگیز خان کی روح آگئی ہے اور میری شامت بھی آگئی ہے ان کے ہاتھوں۔"

حورام کی باتوں پر ان کا قہقہ بلند ہوا انھوں نے ہنستے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگایا اور اس کا ماتھا چوما۔

"کیوں تنگ کرتی ہو ماں کو۔"

انھوں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا پاپا۔۔۔۔۔۔ آپ کی بیگم کو پتہ ہے مجھے ریشمی کپڑے استری کرنا نہیں آتے پھر بھی مجھ سے کروانے بیٹھ گئیں۔ اب اس میں میرا کیا قصور۔"

حورام نے سارا معاملہ نائمہ بیگم پر ڈال دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ میرے بچے نے پھر سے سوٹ جلا دیا۔"

ان کی بات پر حورام نے اتنی معصوم شکل بنائی کہ ان کو پھر ہنسی آئی۔

"فکر نہ کرو آپ کے پاپا ہیں نہ۔"

نائمہ بیگم کو سمعیہ بیگم نے بلا لیا اس لیے کچھ وقت کے لیے حورام کی بچت ہوگئی۔۔۔۔۔۔ مگر وہ آفتاب صاحب کے پاس سے نہیں ہلی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ یہ ہی اس کی پناہ گاہ ہے اور اگر وہ یہاں سے ہلی تو لیڈی چنگیز خان کے متھے چڑ جائے گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جہان کے لیے کیس مشکل سے مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ جہان کا پلین یہی تھا کہ تیمور خان اور فیروز خان کو دنیا کے سامنے بے نقاب کیا جائے تاکہ دنیا کو پتہ چلے کہ جن کو وہ فرشتہ سمجھ رہے ہیں وہ حقیقت میں شیطان ہیں۔ تیمور خان نے ایک دارالامان بنوایا تھا۔ جہاں بے سہارا لوگوں کو رہنے کے لیے چھت مل جائے۔ ایک دو سال تک اس جگہ کے بارے میں اچھا سننے کو ملتا رہا مگر کچھ عرصہ پہلے اصلیت سامنے آنے لگ گئی۔

اس کے مخبروں کے زریعے اسے خبر ملی تھی کہ تیمور خان اور اس کا بیٹا فیروز لڑکیاں دوسرے ممالک میں سمگل کرتے ہیں۔

اب اسے ایسے شخص کی ضرورت تھی جو ان دونوں باپ بیٹا کو بے نقاب کرنے میں اس کی مدد کرے اور وہ صرف ایک شخص تھا میڈی۔

میڈی اس کا اور عمار کا بہترین دوست تھا۔ بلکہ عمار کا تو ہمسایہ بھی تھا۔ وہ دونوں فیمل فرینڈز بھی تھے۔

مگر جہان کا بھی میڈی سے گہرا تعلق تھا۔ میڈی حناع کا کزن تھا۔ اس لحاظ سے وہ جہان کا سالہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بغیر وقت برباد کیے اس نے میڈی کو کال ملائی۔ کال جا رہی تھی، مگر کوئی اٹھا نہیں رہا تھا۔

آخر کار تیسری باری کال اٹھا لی گئی۔

"بھائی فون ساتھ لے کر جایا کریں کب سے آپ کا فون بجے جا رہا ہے۔۔۔۔ میرا سارا ڈرامہ خراب کر دیا۔۔۔۔ لگتا ہے فون کرنے والا بھی نہایت ہی کوئی ڈھیٹ انسان ہے اگر کوئی فون نہیں اٹھا رہا تو رک جائے مگر نہیں ڈھیٹائی تو آج کل ہر کسی میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔"

اس سے پہلے وہ کچھ بولتا کہ دوسری طرف سے کوئی بولنے لگا اور ایسا بولنے لگا کہ چپ ہی نہیں ہوا۔

مقابل کی گوہر افشانی پر جہان ایک سیکنڈ کے لیے حیران ہو گیا۔

"اچھا ٹھیک ہے بس کر دو بیٹا۔۔۔۔۔ غلطی ہو گئی جو فون میں نے یہاں رکھ دیا۔۔۔۔۔۔۔ معذرت۔"

میڈی عاجز ہو کر بولا۔ اسے حناع کی عادت بہت بری لگتی تھی۔ جب وہ بولنے پر آتی تو بولتی ہی جاتی۔

"السلام و علیکم"

میڈی نے فون کان سے لگاتے سلام کیا۔

"و علیکم السلام"

جہان نے بھی سلامتی بھیجی۔

"یاد آ گئی کہ کوئی میڈی نام کا دوست بھی ہے۔"

میڈی نے شکوہ کیا۔

"یار ایسے مت بولو۔۔۔۔۔ کام میں مصروف تھا، وقت نہیں ملتا۔۔۔۔ کیا کروں۔"

جہان نے عاجز آکر بولا۔

"کیا بات ہے؟ خیریت تو ہے کچھ پریشان لگ رہے ہو۔"

میڈی کو اس کی آواز سے اندازہ ہوگیا کہ کوئی پریشانی ہے۔ جہان نے اسے پوری بات بتا دی۔

"ٹھیک ہے تم فکر مت کرو۔۔۔۔۔ کوئی بھی مسئلہ یا پریشانی ہو، تم مجھے ہمیشہ اپنے ساتھ پاؤ گے۔"

میڈی بات کرتے کرتے دوبارہ ڈرائنگ روم میں گیا جہاں حناع کوئی کورین ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔

"لگتا ہے دنیا کا تمام حسن کوریا میں ہے اور سارے لفنگے پاکستان میں بستے ہیں۔"

اس کی آواز اتنی اونچی تھی کہ دوسری طرف فون پر جہان بھی سن رہا تھا۔ اور خود پر ضبط کر رہا تھا۔

مطلب اس کی منکوحہ کو وہ چینی شکلوں والے لڑکے پسند ہیں۔

میڈی بھی حناع کی بات سن چکا تھا۔ اسے جہان کی حالت پر ہنسی بھی آرہی تھی۔

" تمہیں یہ اتنے ہی پسند ہیں تو تمہاری شادی بھی ان جیسے کسی سے نہ کروا دیں۔"

میڈی نے جان کر جہان کو تپانے کے لیے یہ بات کی۔

"بھائی مت چھیڑو۔۔۔۔ ہم پہلے سے ستائے ہوئے ہیں۔"

حناع پوری اداکاری دکھاتے بولی۔ جب کہ میڈی فون پر جہان کی طرف سے اس حرکت پر اپنی شان میں تعریف سن چکا تھا۔ مگر پھر بھی بعض نہیں آیا۔

"کیوں تمہیں تو بہت پسند ہیں یہ۔"

میڈی ابھی بھی نہیں رکا۔

"آپ نے کیا مجھے اتنا بے وقوف سمجھا ہوا ہے۔۔۔۔ ہمیں پتہ ہے کہ ایسی شکلیں پاکستان میں قبول نہیں ۔۔۔۔ اور اگر مذاق سے ہٹ کر بات کروں تو یہ کورین صرف دیکھنے کی حد تک اچھے ہیں۔ لائف پاٹنر کے روپ میں نہیں۔"

حناع سے اتنی سمجھداری والی بات کی امید میڈی کو نہیں تھی۔ مگر اسے اچھا لگا کہ اس کی بہن اتنی سمجھدار ہے۔

جہان کو بھی دوسری طرف کچھ سکون ہوا۔ اس کی منکوحہ اتنی بھی بے وقوف نہیں تھی جتنا کچھ دیر پہلے تک وہ سمجھا تھا۔

کچھ ہی دیر میں میڈی اور جہان نے پورا پلین تیار کر لیا تھا۔ اب بس موقع کا انتظار تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دوسری طرف اسلام آباد کے ایک پوش علاقے کی کوٹھی میں ایک میٹنگ چل رہی تھی۔ جس میں بہت سی نامی گرامی شخصیات بیٹھی تھیں۔

دیکھنے میں فرشتہ دکھتے لوگ ہی اندر سے ملک کی جڑیں کاٹ رہے تھے۔

ملک کی عزتوں کا سودا کر رہے تھے۔ یہ کام کرتے ہوئے نہ ان کا دل کانپا نہ ان کا ضمیر شرمندہ ہوا۔

یہ لوگ دوسروں کی بیٹیوں کا سودا کرتے ہوئے یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کی بھی بیٹیاں ہیں۔ مگر ان کی بیٹیاں تو ان کی اپنی ہیں۔ غریب کی بیٹی کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس کی عزت کی کوئی اہمیت نہیں۔

ان ہی میں ایک انسان سربراہی کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر بہت اطمینان تھا۔

تیمور خان سیاست کی دنیا میں جانا مانا انسان۔ جس نے بہت سے فلاحی کام کیے۔ مگر کوئی نہیں جانتا تھا کہ ان فلاحی کاموں کی آڑ میں وہ کتنے گناہ کرتا ہے۔

ایک حد درجہ عیاش انسان جس کا بیٹا فیروز خان بھی اس کی جیسی عادات کا مالک تھا۔

خود ایک بیٹی کا باپ ہونے کے باوجود دوسروں کی بیٹیوں کا سودا کرتے اس انسان کا دل نہیں ڈرتا تھا۔

پر سکون سا کرسی پر بیٹھے یہ شخص اطمینان سے کسی دوسرے کی بیٹی کا سودا کر چکا تھا۔ بلکہ آدھی پیمنٹ بھی لے چکا تھا۔

اتنے میں اس کا ایک آدمی فرید اس کے پاس آیا اور اس کے کان میں کچھ بولا۔ پل میں اس کا اطمینان غارت ہوا۔

"کیا حکم ہے سر جی۔"

فرید سر جھکائے بولا۔

"جو پہلے کیا ہے۔۔۔۔۔ پیسے دے کر منہ بند کرواؤ اس کل کے آئے لڑکے کا۔۔۔۔۔ اگر پھر بھی یہ نہیں رکا اور ہماری کام میں رکاوٹیں ڈالتا رہا تو اس کی کمزوری پر وار کرنا پڑے گا۔"

تیمور خان گردن اکڑا کر بولا۔ اسے ابھی ابھی خبر ملی تھی کہ کوئی اے ایس پی جہان ہاشمی اس کے پیچھے پڑا ہے۔ یہاں تک کہ وہ کوئی ایسا پلین بنا رہا ہے جو اس کے لیے سہی نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ ایک اندھیرے میں ڈوبے کمرے کا منظر ہے۔ وہ بیڈ پر اداس بیٹھی تھی۔ اداسی اس کے ہر انداز میں تھی۔

ہر طرف خاموشی اور مایوسی تھی۔ ہر گزرتے پل کے ساتھ اس کی گھبراہٹ میں اضافہ ہو رہا تھا۔

"حورام! حورام"

کوئی اس کا کندھا ہلا رہا تھا مگر اسے سمجھ نہیں آرہی تھی۔

اب کی بار کسی نے اسے جھنجھوڑا تب اس نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں۔ کمرے میں اب اندھیرا نہیں تھا۔ نائمہ بیگم اس کے پاس کھڑی تھیں۔

"پسینہ کیوں آرہا ہے تمہیں۔۔۔۔۔ طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟"

نائمہ بیگم فکرمندی سے پوچھ رہی تھیں۔

"ٹھیک ہوں ماما۔"

حواس بحال ہونے پر وہ صرف اتنا ہی بولی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ خواب کوئی پہلی بار نہیں آیا اس کو۔ مسلسل ایک ہفتے سے اس کو ایسے ہی خواب آرہے تھے۔ جس میں وہ خود کو اداس دیکھتی تھی۔

شروع میں تو نظر انداز کیا اس نے، مگر بار بار ہر روز ایک ہی خواب کا آنا اسے اب پریشان کرنے لگا تھا۔

اب تو اس کو گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔ اس نے اس بات کا ذکر نائمہ بیگم سے کیا مگر انھوں نے یہ کہہ کر بات ختم کردی کہ ایگزیمز کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے خواب کا بھی نائمہ بیگم کو بتایا تو وہ نہیں سمجھیں گی۔

اس لیے اس نے کسی اور سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ مگر پھر کوئی بات کرنے والا یا خواب کی تعبیر بتانے والا انسان نہیں ملا۔

اس لیے اس نے انٹرنیٹ پر سرچ کیا اس بات کو۔

کافی جگہ اس کا ایک ہی مطلب نکلا کہ خواب میں اداسی کچھ برا ہونے کی وجہ نشانی ہوتی ہے۔

اب اگلی فکر اسے اسی بات کی لگ گئی تھی کہ کیا برا ہونے والا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جہان اپنے آفس میں بیٹھا کیس کی فائل پڑھ رہا تھا جب اس کے فون پر کال آئی۔ اس نے بغیر فائل سے نظریں ہٹائے فون کان سے لگایا۔

"کیسے ہو اے ایس پی؟"

مخالف کا لب و لہجہ ایک پل کے لیے جہان کو کھٹکا۔ اس نے فون کان سے ہٹا کر نمبر دیکھا جو کہ ان نون پرائیویٹ نمبر تھا۔

"کون بول رہا ہے۔"

جہان الرٹ ہو گیا۔

"اس بات کو چھوڑو۔۔۔۔۔ میری بات سنو بچے۔۔۔۔۔۔۔ ابھی نئے نئے آئے ہو اس لیے آرام سے سمجھا رہا ہوں کہ میرے راستے سے ہٹ جائو ورنہ آگے کے حالات تمہاری منکوحہ کے حق میں اچھے نہیں ہوں گے۔"

مخالف کی بات پر وہ جھٹکے سے سیدھا ہو کر بیٹھا۔ فون پر اس کی گرفت سخت ہو گئی۔ جیسے فون نہیں مخالف کی گردن ہو۔

"اس بکواس کا مطلب ۔۔۔۔۔ میری بیوی کو بیچ میں گھسیٹنے کی ضرورت نہیں ہے ۔۔۔۔۔۔ مرد ہو تو میرے سامنے آکر بات کرو ۔۔۔۔ فون پر کیا دھمکی دے رہے ہو۔"

جہان کا لہجہ سخت ہو گیا۔ مخالف سمجھ گیا کہ تیر نشانے پر لگا ہے۔

"ویسے تو تیمور خان عام لوگوں سے بات نہیں کرتا اور تجھ جیسے کل کے آئے بچے سے تو بالکل نہیں ۔۔۔۔۔ لیکن تجھے اپنی زبان میں سمجھانا ضروری تھا ۔۔۔۔۔۔۔۔ ابھی میں زبان سے سمجھا رہا ہوں کہ میرے راستے سے ہٹ جا ۔۔۔۔۔۔۔ جتنے پیسے کہے گا دوں گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

" میں لعنت بھیجتا ہوں تم پر اور تمہاری حرام کی کمائی پر ۔۔۔۔۔۔۔۔ میری ایک بات کان کھول کر سن لو تیمور خان آج تو تم نے مجھے کال کر کے میری بیوی کے نام پر دھمکی دے دی مگر آئیندہ ایسا کبھی مت کرنا ۔۔۔۔۔ کیونکہ اپنی چیزوں کے بارے میں اور خود سے جڑے رشتوں کے لیے میں الگ انسان ہوں ۔۔۔۔۔۔ میرے اندر کے اس انسان کو مت جگاؤ ۔۔۔۔۔۔۔ کیونکہ بات اگر میری بیوی پر آئی تو تمہاری بیٹی بھی نہیں بچے گی ۔۔۔۔۔ جسے تم نے دنیا سے چھپا کر رکھا ہے۔"

جہان کی بات تیمور خان کو آگ لگا گئی۔ وہ غصے میں اسے فضول بولنے لگا، گالیاں دینے لگا مگر جہان نے

اس کے منہ پر فون کاٹ دیا۔

وہ اتنا کم ظرف نہیں تھا کہ عورت کو بیچ میں گھسیٹے مگر اس نے یہ صرف اس لیے بولا کہ مخالف کو پتہ چل جائے کہ وہ اس کے بارے میں ہر معمولی سے معمولی بات کا بھی علم رکھتا ہے۔

جب کہ دوسری طرف تیمور خان نے غصے میں ایک نمبر پر کال ملائی۔

" منہا کی سیکیورٹی ٹائٹ کر دو ۔۔۔۔۔ میری بیٹی پر کوئی آنچ نہیں آنی چاہیے ۔۔۔۔ کوئی اس تک نہ پہنچ پائے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اس اے ایس پی کی منکوحہ پر نظر رکھو ۔۔۔۔۔۔۔ جہاں بھی نظر آئے اٹھا لینا اور وہ حال کرنا کہ اس کی آگے آنے والی سات نسلیں بھی تیمور خان سے الجھنے سے پہلے سوچیں۔"

تیمور خان اپنی بیٹی کی بات آنے پر غصے میں آگیا جب کہ کچھ دیر پہلے کسی دوسرے کی بیٹی کے بارے میں بولتے ہوئے اسے بالکل خوف نہیں آیا کہ دنیا مکافات عمل ہے۔ آج جو وہ کسی دوسرے کی بیٹی کے ساتھ کرنے جا رہا ہے وہ کل کو اس کی بیٹی کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شان کے پروپوزل پر حورام نے بہت واویلا ڈالا۔ اس نے نائمہ بیگم کو واضح الفاظ میں انکار کیا مگر وہ شان کے پرپوزل پر بضد تھیں۔

اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیا وجہ ہے کہ اس کی ماما کو اس کی شادی کی اتنی جلدی ہے۔

وہ جلد سے جلد اس معاملے سے نکلنا چاہتی تھی۔ اتنا تو وہ سمجھ گئی تھی کہ نائمہ بیگم اس کی نہیں سننے والی۔

اس لیے اس نے ماہم بیگم سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ ایک وہی تھیں جو اس کی بات گھر کے مردوں تک طریقے سے پہنچا سکتی تھیں۔

وہ جب ان سے بات کرنے گئی تب وہ پیپرز چیک کر رہی تھیں۔ حورام کو آتا دیکھ انھوں نے پیپرز رکھے اور اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

حورام ان کو ویسے بھی بہت عزیز تھی۔ ان کو کیا وہ گھر میں سب کی فیورٹ تھی۔ سب سے بڑی وجہ اس کی فرمانبرداری تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ مہرہ اور حرا فرمانبردار نہیں تھیں۔ وہ بھی اپنے ماں باپ کی فرمانبردار تھیں۔ پھر حورام حمدان کے بعد گھر میں پہلی بچی تھی اس لیے بھی وہ لاڈلی تھی۔

Hoorie AHMAD
WRITING STORIES • SHARING THOUGHTS • INSPIRING MINDS

حورام کے بارے میں بچپن سے مشہور تھا کہ وہ ابینورمل شریف تھی کیونکہ اس نے کبھی اپنے ماں باپ کو تنگ نہیں کیا یہاں تک کہ بیماری میں بھی نہیں۔ اس کو سب سے اچھا آفتاب صاحب سنبھالتے تھے۔ وہ بیماری میں ان کے علاوہ کسی سے نہیں سنبھلتی تھی۔

اپنی شرافت کے قصوں پر وہ کبھی بھی یقین نہیں کرتی تھی۔ بقول اس کے کہ کوئی بچہ اتنا شریف نہیں ہو سکتا۔

دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ آفتاب صاحب حورام کے معاملے میں کسی پر یقین نہیں کرتے تھے۔ ہر وقت اسے خود سے لگا کر رکھتے تھے۔ کام سے آنے کے بعد وہ اپنا سارا وقت حورام کو دیتے تھے۔

بلاشبہ وہ ایک بہترین باپ تھے۔ حورام ہمیشہ فخر سے کہتی تھی کہ اس کے پاپا دنیا کے بیسٹ پاپا ہیں۔ ان سے اچھا باپ دنیا میں کوئی نہیں ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"پھوپھو مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔"

حورام نے بات کا آغاز کیا۔

"جی میرا بچہ بولو۔"

ماہم بیگم نے پیار سے کہا۔

"آپ کو پتہ ہے نہ شان بھائی والی بات کا۔"

حورام نے تمہید باندھی۔

"جی میرا بیٹا۔"

وہ انتظار میں تھیں۔ جانتی تو وہ بھی تھیں مگر اس کے منہ سے سننا چاہتی تھیں۔ شان بے شک ان کا بھانجھا تھا مگر حورام ان کو زیادہ عزیز تھی۔

"پھوپھو مجھے نہیں منظور یہ رشتہ آپ کو پتہ ہے نہ شان بھائی مجھے نہیں پسند مگر ماما میری بات نہیں سمجھ رہیں۔۔۔۔۔ آپ پلیز پاپا سے بات کیجیے، ان کو سمجھائیں۔"

بولتے بولتے حورام رونے لگ گئی۔ کمرے میں آتے ہوئی نائمہ بیگم بھی اس کی بات سن چکی تھیں۔

ان کو دکھ ہوا کہ ایک طرح سے اپنی بیٹی پر زبردستی کرتے ہوئے مگر وہ ماں تھی مجبور تھیں۔

وہ نہیں چاہتی تھیں کہ ان کی بیٹی بیٹھی رہ جائے۔

اس کے بعد ماہم بیگم نے ان سے اور آفتاب صاحب سے بات کی تھی۔

آفتاب صاحب پہلے سے جانتے تھے کہ حورام شان کو پسند نہیں کرتی۔ حورام آفتاب صاحب کے بہت قریب تھی۔ اپنی ہر بات ان کو بتاتی تھی۔

اپنی بیٹی کی رگ رگ سے وہ واقف تھے۔

وہ جانتے تھے کہ نائمہ بیگم بھی غلط نہیں ہیں۔ ماں ہیں بیٹی کا بھلا چاہتی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آفتاب صاحب نے خود فاریہ بیگم سے بات کی اور مناسب الفاظ میں رشتے سے انکار کر دیا۔ جس کا انھوں نے بھی برا نہیں منایا۔

حورام بہت خوش تھی کہ آخر کار یہ بات ختم ہو گئی۔

نائمہ بیگم کو تھوڑا افسوس تھا مگر حورام کی خوشی دیکھ کر وہ خاموش ہو گئیں۔

آفتاب صاحب اپنا کچھ کام کر رہے تھے جب ان کو کال آئی۔ نمبر دیکھ کر ان کے ماتھے پر شکن آئے۔ مگر پھر بھی انھوں نے فون اٹھا لیا۔

دوسری طرف کی بات سن کر ان کے ماتھے پر مزید شکن آ گئے۔

"میری ایک بات یاد رکھنا اگر تمہاری وجہ سے میری فیملی پر کوئی مشکل آئی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

حورام جو کمرے میں آ رہی تھی آفتاب صاحب کا لہجہ سن کر حیران ہو گئی کیونکہ آفتاب صاحب ہمیشہ سب سے دھیمے لہجے میں بات کرتے تھے۔

اس لیے اس کا حیران ہونا بنتا تھا۔ آفتاب صاحب نے فون بند کر کے خود کو پر سکون کیا۔ وہ حورام کو اندر آتا دیکھ چکے تھے۔ وہ جانتے تھے ان کی بیٹی کو ان کے تیز لہجے کی عادت نہیں ہے۔ اس لیے انھوں نے خود کو پرسکون کیا اور حورام کو مسکرا کر دیکھا۔

ان کو مسکراتا دیکھ کر حورام بھی پر سکون ہو گئی۔

وہ ان کو اپنے پریکٹیکل کے بارے میں بتانے آ رہی تھی جو کہ پرسوں تھا۔

اس کو چھوڑنے اور لینے آفتاب صاحب ہی جاتے تھے۔ اپنی بیٹی کا ہر کام وہ خود کرتے تھے۔

حورام بھی ان کے علاوہ کسی کو کام نہیں کہتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس کال کا ذکر آفتاب صاحب نے ارباس صاحب، حمدان، ماہم بیگم، سمیعہ بیگم اور نائمہ بیگم سے کیا۔

نائمہ بیگم تو گھبرا گئیں۔ گھبرائے تو آفتاب صاحب بھی ہوئے تھے۔ باقی سب نے ان کو پر سکون رہنے کا کہا۔

گھر میں عجیب سے ماحول ہو گیا تھا۔

مہرہ، حورام اور حرا سب بڑوں کو دیکھ رہی تھیں جو ہر وقت پریشان رہتے تھے۔

وہ تینوں اس بات سے بے خبر تھیں۔

حورام کے پریکٹیکل کا دن بھی آن پہنچا۔ پریکٹیکل تھا بھی کافی دور کسی سینٹر میں۔ آفتاب صاحب کو تھوڑی پریشانی تو ہوئی مگر جب حورام نے اپنی دوستوں کا بتایا تب وہ تھوڑے پرسکون ہو گئے۔

مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ خود اپنی بیٹی کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔

حورام صبح صبح اٹھ کر تیاری کرنے لگ گئی۔ اسنے جلدی جلدی دہرائی کی۔

نائمہ بیگم کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ ان کا دل بہت گھبرا رہا تھا۔ وہ بار بار آفتاب صاحب کو حورام کا دیھان رکھنے کو کہہ رہی تھیں۔

آفتاب صاحب ان کی حالت سمجھ رہے تھے اور اس حالت کی وجہ بھی سمجھ رہے تھے۔

حورام کو گیٹ تک چھوڑ کر آفتاب صاحب خود بھی باہر ہی کھڑے ہو گئے۔ ان کا اس کو لیے بغیر جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ کیونکہ پرسوں کی آئی فون کال وہ نہیں بھولے تھے۔ مگر حالات شاید ان کے حق میں نہیں تھے۔

اس کا پریکٹیکل اچھا ہو گیا تھا جس کی اس کو امید نہیں تھی کیونکہ گورمنٹ کالج میں ٹیچرز بچوں کو گائید نہیں کرتے۔

ہمارے ملک میں سرکاری تعلیمی ادارے بظاہر لوگوں کی آسانی کے لیے ہیں۔ جو لوگ اپنے بچوں کو مہنگے اداروں میں نہیں پڑھا سکتے وہ اپنے بچوں کو سرکاری ادارے میں ڈال دیتے ہیں۔ مگر ان اداروں میں بھی بچوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اساتذہ اچھی خاصی تنخواہ لینے کے باوجود بھی اپنے فرائض پورے نہیں کرتے تھے۔

یہ لوگ نہیں جانتے کہ یہ لوگ حرام کما رہے ہیں۔ جس کام کا وہ معاوضہ لے رہے ہیں وہ ہی سہی سے نہیں کرتے۔ ہمارے ملک کے ہر شعبے میں لوگ بے ایمانی کرتے ہیں۔

» استاد کو ہمارے مذہب میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ استاد کو بچے کو روحانی باپ کہا گیا ہے۔

معلم کے درجے کو تو ہمارے نبی پاک صلی اللہ و علیہ وسلم نے یہ کہہ کر عزت بخشی۔

"بے شک مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا۔"

مگر پھر بھی یہ لوگ اپنے کام سے بے ایمانی کر کے گناہ گار ہوتے ہیں۔»

اس نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ پریلٹیکل اچھا ہو گیا۔ وہ پہلے باہر آگئی تھی اس کی دوستیں ابھی فارغ نہیں ہوئیں تھیں۔

وہ کینٹین میں آکر بیٹھ گئی۔ اپنے لیے اس نے جوس لیا تھا۔ ابھی اس کو بیٹھے کچھ ہی دیر ہوئی تھی جب کوئی لڑکی اس کے ٹیبل کے پاس آئی۔

"ایکسکیوزمی! کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں۔"

اس لڑکی نے نقاب کیا ہوا تھا۔ حورام نے اسے بیٹھنے دیا۔ نجانے کیوں حورام کو وہ عجیب سی لگی۔ اسے اس لڑکی سے اچھی وائبز نہیں آرہی تھیں۔

وہ لڑکی خود ہی اس سے باتیں کرنے لگ گئی۔ جس کا وہ بھی جواب دینے لگ گئی۔ باتوں باتوں میں اس لڑکی نے اسے بسکٹ دیا جو اس نے بھی باتوں میں کھا لیا۔

کچھ دیر بعد وہ لڑکی چلی گئی۔

ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی جب اسے اپنا سر چکراتا ہوا محسوس ہوا۔

مگر اس نے اس بات کو زیادہ سیریس نہیں لیا۔ کچھ دیر بعد اس کا دماغ غنودگی میں جانے لگا۔ دماغ باکل سن ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جہان کو خبر ملی تھی کہ فیروز اور تیمور خان آج کچھ کالج کی لڑکیاں اٹھوانے والے ہیں۔ یہ سہی موقع تھا انہیں پکڑنے کا۔

جہان ریڈ کی تیاری کرنے لگا۔

ساری تیاری کے بعد وہ اور اس کی ٹیم پولیس سٹیشن سے نکلی۔ لوکیشن ان کو کسی ویران جگہ کی شو ہو رہی تھی۔ جو کہ جہاں کے لیے حیرت کا باعث بن رہی تھی۔

Hooria AHMAD
WRITING STORIES • SHARING THOUGHTS • INSPIRING MINDS

اسے یہ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ آخر فیروز اس ویران جگی لڑکیاں لے جا کر کیا کرے گا جہاں تک اس کو پتہ ہے وہ لوگ لڑکیاں سمگل کرتے ہیں تو اس ویرانے میں کیا کام۔

اس نے میڈی سے بھی رابطہ کرنے کی کوشش کی جو فلحال ممکن نہیں تھا۔ میڈی سے رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا یہ بات بھی اس کو پریشان کر رہی تھی۔

مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ کچھ دیر بعد جو ہو گا اس کا اسے بعد میں پچھتاوا رہے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حورام کی آنکھ خود پر بوجھ محسوس کر کے کھلی تھی۔

کوئی اس کے پر جھکا ہوا تھا اور وہ مسلسل اسے خود سے دور ہٹانے کی کوشش کر رہی تھی مگر اس کی مزاحمت کا مقابل پر کوئے اثر نہیں ہو رہا تھا۔ کوئی بند سا کمرہ تھا جہاں وہ موجود تھی۔ اس کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے۔ اسے ٹھنڈ لگ رہی تھی۔

اس کو سب کچھ دھندلا نظر آرہا تھا۔ مقابل کا چہرہ بھی صاف نظر نہیں آرہا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے لگ رہا تھا کہ مقابل سے اس کا کوئی تعلق ہے۔

کچھ دیر بعد اس کے کان میں سرگوشی کی گئی۔

"سوری ۔۔۔۔۔۔ ایم ریلی سوری ۔۔۔۔۔۔ میں ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا ۔۔۔۔۔۔ مگر میں مجبور ہوں۔"

اس کے بعد اس کا دماغ دوبارہ غنودگی میں چلا گیا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ آگے کیا ہوا۔

مگر جو بھی ہوا وہ اس کے حق میں اچھا نہیں ہوا۔

جب دوبارہ اس کی آنکھ کھلی تب وہ اپنے گھر تھی۔

آفتاب صاحب اس کے سرہانے بیٹھے تھے۔ اس کو جاگتا دیکھ کر ایک دم سے سیدھے ہو گئے۔

"حورام میرا بچہ آپ ٹھیک ہوں نہ ۔۔۔۔۔۔۔ کوئی چوٹ تو نہیں آئی میرے بچے کو۔"

وہ اور بھی سوال کر رہے تھے مگر حورام چپ تھی۔ اس کو خاموش دیکھ کر وہ بھی خاموش ہو گئے اور مزید کوئی سوال نہیں کیا۔

Hooria AHMAD
WRITING STORIES • SHARING THOUGHTS • INSPIRING MINDS

بلکہ اس کا ماتھا چوم کر کمرے سے چلے گئے۔

آفتاب صاحب کے جاتے ہی حرا اور مہرہ اس کے پاس آئیں۔ دونوں کے چہروں پر اس کے لیے فکر عیاں تھی۔ مگر حورام کا دماغ بالکل بند تھا۔

نہ وہ کچھ بول رہی تھی نہ اس کے چہرے پر کوئی ایکسپریشن تھے۔

اس کی حالت دیکھ کر ہر کوئ پریشان تھا۔ مہرہ اور حرا نے اسے بولانے کی بہت کوشش کی مگر اس کے منہ سے ایک لفظ نہیں نکلا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جہان کا موڈ صبح سے خراب تھا۔ فیروز اس کی حراست میں تھا جب کہ تیمور خان بھاگ گیا تھا۔ اس نے فیروز کی خوب خاطر داری کی۔

اس کو اچھا خاصہ غصہ چڑھا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کے عتاب کا شکار فیروز بنا تھا۔

شکیل حسے کچھ دیر پہلے تیمور خان کے بارے میں اطلاع ملی تھے۔ اس میں اتنی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ جہان کو جا کر بتائے کیونکہ اس وقت وہ ایسا شیر بنا ہوا تھا جس کی کچھار میں ہاتھ ڈالنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

جہان اپنے آفس میں ہاتھوں میں سر گرائے بیٹھا تھا۔ اس کے سر میں اس وقت شدید درد تھی۔

فیروز اس کی حراست میں تھا اور اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے قتل کر دے۔ مگر ایسا کرنے سے اس کی نوکری خطرے میں پڑ سکتی تھی۔

ابھی وہ انہی سوچوں میں گم تھا جب اس کے فون کر قاسم صاحب کی کال آنے لگی۔

وہ خود کو متوقع حالات کے لیے تیار کر چکا تھا، اس لیے بغیر وقت برباد کیے فون اٹھایا۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ ایسا کچھ مت کرنا کہ حالات بگڑ جائیں۔۔۔۔۔۔۔ تم جانتے ہو کہ ان لوگوں کو ہم سے پہلے ہی کوئی اچھی امید نہیں تھی۔ اب جو تم نے کیا ہے اس کے بعد تم ہر قسم کے فیصلے کے لیے خود کو تیار رکھنا۔ کیونکہ اب سب کچھ میرے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ تمہاری وجہ سے وہ بچی موت کے منہ سے واپس آئی ہے۔ تمہارے دشمنوں نے تم سے دشمنی میں اس کو نقصان پہنچایا۔ اب جو بھی ہوا اس پر مجھ سے شکوہ مت کرنا۔ جو بویا ہے وہ کاٹو۔"

قاسم صاحب نے اپنی بھڑاس نکال کر، اس کی سنے بغیر فون بند کر دیا۔ مگر جہان کے غصے کا گراف مزید بڑھ گیا۔

اب یہ غصہ کس پر نکلنا تھا یہ تو اللہ ہی جانتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پولیس سٹیشن میں اس وقت چیخنے کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ اب چلتے ہیں اس کمرے کی طرف جہاں سے یہ آوازیں آ رہی تھیں۔

ایک آدمی کو الٹا لٹکایا ہوا تھا اور اسے مسلسل بیلٹ سے مارا جا رہا تھا۔ جب جب وہ بے حوش ہوتا تب تب اس پر ٹھنڈے پانی کے بالٹی پھینکی جاتی، پھر دوبارہ سے سلسلہ شروع ہو جاتا۔

"صاحب جی۔۔۔۔۔۔"

"میں نے تم سے کیا کہا تھا شکیل؟ مجھے کوئی بھی تنگ نہ کرے منع کیا تھا نہ؟"

اس سے پہلے شکیل کچھ بولتا جہان نے اس کو ڈانٹ دیا۔
شکیل تو آکر پچھتا رہا تھا۔

"سر جی معذرت مگر ایس پی صاحب کی مسلسل کالز آ رہی ہیں۔ اس لیے میں آپ کو فون دینے آگیا۔"

جہان نے اس سے فون پکڑا اور باہر نکل آیا۔

"السلام و علیکم سر"

"وعلیکم السلام ۔۔۔۔ کہاں تھے تم، میں کب سے تمہیں کال کر رہا ہوں ۔۔۔۔۔ جہان جہان یہ تم نے کیا کیا؟ تم نے کیوں فیروز کو لاک اپ میں رکھا۔ میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ اس کیس میں مت پڑو۔ کوئی فائدہ نہیں اس کا۔ کیونکہ کچھ بھی ہو جائے تیمور خان یہ کیس بند کروا دے گا۔ تم نہیں جانتے مجھے اوپر سے کتنی کالز آ رہی ہیں۔ مجھے یہی آرڈرز دیے جا رہے ہیں کہ فیروز کو چھوڑ دیا جائے۔"

ایس پی داؤد بھٹی اس پر برس پڑے۔

"سر اسے کیسے اس کو چھوڑ دیا جائے۔ میں نے اسے خود پکڑا ہے اس کو موقع پر۔۔۔۔۔"

"کس وجہ سے تم نے اس کو گرفتار کیا ہے؟"

اس سے پہلے جہان کچھ بولتا داؤد صاحب بول پڑے۔

"سر وہ لڑکی کو کڈنیپ کر کے لے جا رہا تھا۔۔۔۔"

جہان نے ضبط سے کہا۔

"وہ لڑکی کہی منظر عام پر آئی۔ کسی نے اس کو دیکھا؟"

ان کی اگلی بات پر وہ خاموش ہو گیا۔

"جہان تم میرے لیے میرے بیٹے جیسے ہو اس لیے تمہیں کہہ رہا ہوں کہ اپنے لیے مشکل پیدا مت کرو۔ قاسم بھی تمہاری وجہ سے بہت پریشان ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ یہ معاملہ اب ذاتی دشمنی میں بدل گیا ہے۔ تم نے تیمور کے بیٹے کو اٹھایا ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے وہ تمہیں چھوڑے گا۔"

دائود صاحب نے اسے تحمل سے سمجھانا چاہا۔

"اس معاملے کو اس نے خراب کیا ہے۔ اگر وہ معاملہ ہمارے درمیان رہنے دیتا تو میں کچھ سوچ سکتا تھا۔ مگر وہ حناع کو بھی اس سب میں لایا ہے۔ اس لیے یہ سب کرنا ضروری تھا اور جو حرکت اس کے بیٹے نے کی ہے اس کے بعد تو میں اسے قیامت تک معاف نہ کروں۔"

وہ کسی صورت ماننے کو تیار نہیں تھا۔

"جہان تم بھی جانتے ہو کہ کوئی سنگین نقصان نہیں ہوا۔ اللہ نے ہماری مدد کی۔ لیکن جو تمہارے حالات جا رہے ہیں مجھے کسی انہونی کا خدشہ ہے۔"

دائود صاحب نے ایک اور کوشش کی۔ جس پر وہ چپ بھی ہو گیا۔

"میری بات سنو جہان۔ فیروز کو باعزت طریقے سے ریہا کر دو ورنہ ہم دونوں کی نوکری خطرے میں پر جائے گی۔۔۔۔۔ اور ہاں ایک بات اور فیروز کو ہاتھ بھی مت لگانا ورنہ میں تمہیں نہیں بچا پائوں گا۔"

ان کی بات پر جہان پر اسرار مسکرایا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ میں نے اسے زرا سا ہاتھ نہیں لگایا۔ بس بیلٹ اور ڈنڈا لگایا ہے۔"

اس کی بات پر دائود صاحب گھبرا گئے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا اگر اس وقت وہ ان کے سامنے ہوتا تو ضرور اس کو ایک عاد تھپڑ لگا چکے ہوتے۔

"پاگل ۔۔۔۔ گدھے انسان ۔۔۔۔ تمہیں کس نے کہا تھا یہ کرنے کو ۔۔۔۔۔ صحیح کہتا ہے تمہارا باپ تمہارے بارے میں تم ایک نمبر کے دو نمبر شخص ہو، گدھا، پاگل۔ میں ہی بے وقوف ہوں جو تمہاری اس کے آگے حمایت کرتا رہتا ہوں۔"

جہان نے مسکراتے ہوئے فون بند کر دیا۔ جبکہ دوسری جانب دائود صاحب کو نئی فکر لاحق ہو گئی۔ اب ان کو جہان کی نوکری بھی خطرے میں نظر آرہی تھی۔ مگر بقول قاسم صاحب کے اس گدھے کو کوئی فرق نہیں پڑنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ منظر ہے لائونج کا جہاں اس وقت سارے بڑے بیٹھے تھے۔ مہرہ اور حرا حورام کے کمرے میں تھیں۔

ایک ہفتہ گزر چکا تھا مگر گھر کے حالات اب بھی ویسے ہی تھے۔

نائمہ بیگم کا رو رو کر برا حال تھا۔ سارے خاندان والوں نے کال کی تھی اور حورام کی گمشدگی کو لے کر سب کو تجسس تھا۔ آفتاب صاحب جانتے تھے کہ لوگوں کو صرف مزے لینے ہیں ان کی بے بسی پر۔

بیٹی کے باپ تھے اس لیے چاہ کر بھی کچھ نہیں کر پا رہے۔

نائمہ بیگم کو تو حورام کی خاموشی ڈرا رہی تھی۔ کچھ ہی دیر گزری تھی جب آفتاب صاحب کا فون بجا۔ نمبر دیکھ کر ان کے ماتھے پر بے شمار بل آئے۔ وہ فون نہیں اٹھانا چاہتے تھے۔ مگر ارباس صاحب کے اشارہ کرنے پر فون اٹھا تو لیا پر بولے کچھ نہیں۔

دوسری طرف کی بات سنتے وقت بھی ان کا چہرہ سپاٹ تھا۔ ساری بات سننے کے بعد وہ فقط یہی بولے۔

"میری بیٹی آج جن حالات میں ہے نہ اس کے لیے میں کبھی ہان کو معاف نہیں کروں گا۔ تم لوگوں پر بھروسہ کرنا میری سب سے بڑی غلطی تھی۔"

آفتاب صاحب اچھے خاصے غصے میں تھے۔ کچھ برا نہ ہونے کے باوجود بھی لوگ برے کہ ہی خبر سننے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔

ان کے لہجے میں غصہ اور بے بسی تھی۔ معاملہ کوئی بھی ہو، حالات جیسے بھی ہوں۔ برداشت ہمیشہ عورت ہی کرتی ہے۔

"یہ مرد کا معاشرہ ہے اس میں رہنے کے لیے ہمیشہ عورت کی قربانی دینی پڑتی ہے، عورت کو ہی جھکنا پڑتا ہے۔"

سمیعہ بیگم اکثر یہ بات کہتی تھیں۔ آج آفتاب صاحب کو ان کی باتیں ٹھیک لگ رہی تھیں۔ کوئی قصور نہ ہوتے ہوئے بھی دنیا اس کو غلط کہہ رہی تھی۔ اور جس نے یہ سب کیا اس کو کوئی کچھ نہیں کہہ رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خاندان والوں میں سے کوئی نہ کوئی ان کے گھر آکر افسوس کے نام پر ان کی بے بسی کا مذاق اڑا رہا تھا۔

فاریہ بیگم نے تو یہ تک کہہ دیا تھا کہ وہ اب بھی حورام کا شان سے نکاح کروانا چاہتی ہیں۔ مگر آفتاب صاحب بے بس تھے۔ وہ چاہ کر بھی ان کو ہاں نہیں کر پارہے تھے۔

کافی مذاکرات کے بعد یا یہ کہنا بہتر ہو گا کہ ارباس صاحب کے سمجھانے کے بعد انھوں نے ایک فیصلہ کیا اور ایک نمبر پر کال ملائی۔

"اگر چاہتے ہو کہ حالات بہتر ہو جائیں تو آجائو اور میری بیٹی کی بدنامی ہونے سے بچا لو۔ میں اپنی بچی کو مزید تکلیف میں نہیں دے سکتا۔"

ایک بار پھر وہ بے بس ہو گئے۔ یہ کبھی نہ کبھی تو ہونا تھا۔ مگر اب جن حالات میں یہ فیصلہ ہو رہا تھا وہ صحیح نہیں تھے۔

تصویر کا دوسرا رخ صرف گھر والے جانتے تھے۔ مگر دوسروں کو اس رخ کا علم نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو حورام کو کسی صورت بدنامی نہ جھیلنی پڑتی۔

"یہ رخصتی ہو گی اس کی تم فکر نہ کرو آفی۔ مگر میں ہرگز یہ رخصتی چھپ کر نہیں ہونے دوں گا۔ آخر کو سب کو علم ہو جانا چاہیے۔ کبھی نہ کبھی تو سب کو معلوم ہونا تھا تو اسے ہی سہی۔

میں اپنی بیٹی کو عزت سے اور دھوم دھام سے رخصت کروا کر لے کر جائوں گا۔ تمہیں ہرگز فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

مقابل نے ان کو تسلی دی۔

"مگر میں چاہتا ہوں یہ نکاح دوبارہ ہو۔ حورام کو اس بارے میں علم نہیں۔ ابھی وہ اس حالت میں بھی نہیں کہ کچھ سمجھے۔ مجھے امید ہے کہ تم میری بات سمجھو گے۔"

یک دم ان کا لجہ دھیما ہو گیا۔ وہ جانتے تھے کہ جو بھی ہوا اس میں ان کا کیا کسی کا بھی قصور نہیں تھا، مگر حالات ان کے حق میں نہیں تھے۔ لوگوں کو جو لگ رہا تھا حقیقت اس سے مختلف تھی۔ ان کی بیٹی ایک بڑی مصیبت سے بچ کر بھی دوسری مصیبت میں پھنس گئی تھی۔

"میں نے کہا نا بے فکر ہو جاؤ بس تیاری کرو۔ آج سے پندرہ دن بعد ہم دھوم دھام سے اپنی بیٹی کو رخصت کر کے لے جائیں گے۔ لوگوں کی فکر تم نہ کرو ان کو جواب میں دوں گا۔"

افتاب صاحب کی کچھ حد تک ٹینشن ختم ہو گئی تھا۔ اب اگلا مرحلہ تھا حورام کو تیار کرنا۔

ناجانے کو کیسا ردعمل دکھائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حورام سے بات کرنے کے لیے آفتاب صاحب اور نائمہ بیگم دونوں آئے۔ حورام نے ان کو اندر آتے دیکھ کر بھی بے تاثر بیٹھی رہی۔

آفتاب صاحب اس کے ساتھ آکر بیٹھ گئے جب کہ نائمہ بیگم اس کے سامنے۔

"حورام اگر آپ کے ماما بابا آپ کے لیے کوئی فیصلہ کریں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا۔"

آفتاب صاحب نے بات کا آغاز کیا۔ حورام نے ان کی طرف دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا۔

اس کا مان جانا ان کو آگے بات کرنے کا حوصلہ دے گیا۔

"ہم آپ کا نکاح کرنے لگے ہیں۔"

نکاح کا لفظ سن کر حورام کے چہرے کا رنگ بدلا اور اتنے دنوں کے بعد جو اس کے چہرے پر پہلا تاثر آیا وہ تھا خوف کا۔

"فکر نہ کرو آپ کے پاپا آپ کے لیے کبھی کوئی غلط فیصلہ نہیں کریں گے۔"

انھوں نے اسے تسلی دی۔ حورام آگے کچھ نہ بولی۔ اس نے خود کو حالات پر چھوڑ دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج وہ گھر جا رہا تھا کیونکہ آج اس کی قاسم صاحب کے آگے پیشی تھی اور وہ جانتا تھا کہ اس پیشی میں اس کی کافی بے عزتی ہو گی۔

فلیٹ سے نکلنے سے لے کر پورے راستے میں اس کے دماغ میں مختلف سوچیں چل رہی تھیں۔

وہ جانتا تھا کہ دائود صاحب نے قاسم صاحب کو سارے حالات سے اور ان کی سنگینی سے آگاہ کر دیا ہو گا۔ اسی لیے قاسم صاحب نے اس کو وہاں بلایا ہو گا۔

گاؤں کی حدود میں داخل ہوتے ہوئے اسے محسوس ہوا کہ ایک بائیک مسلسل اس کا پیچھا کر رہی تھی۔ اس پر دو نقاب پوش بیٹھے تھے۔

اس کی چھٹی حس اسے کچھ برا ہونے کا بتا رہی تھی۔ اس نے ایسے ہی بیٹھے ڈیش بورڈ کھول کر اپنا ریوالور چیک کیا۔ جو کہ پڑا تھا۔ اس نے بلٹس چیک کرنے کے لیے دیکھا تو اس میں بلٹس نہیں تھے۔ اسے یاد آیا کہ اس کا فل لوڈیڈ ریوالور فلیٹ میں ہی رہ گیا۔

اپنی کم عقلی پر اسے افسوس ہوا۔

یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس وقت اس کی جان رسک پر ہے اس کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ ایسے میں اسے اپنی سیکیورٹی کا خود خیال رکھنا چاہیے تھا۔

مگر اب وقت گزر چکا تھا۔ تھوڑا آگے جا کر بالکل ویرانہ تھا۔ آس پاس کوئی گھر نہیں تھا۔ ایسے میں اس کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

گھر پہنچتے ہوئے بھی اسے کم سے کم دو ڈہائی گھنٹے لگ جانے تھے۔ ابھی وہ انہی سوچوں میں تھا۔ اس نے دوبارہ شیشے سے دیکھا تو اب وہ بائیک پیچھے نہیں تھا۔ اسے حیرانی ہوئی۔

مگر یہ حیرانی زیادہ دیر نہ رہی کیونکہ آگے ویرانے میں داخل ہوتے ہی اسے وہ نقاب پوش سامنے نظر آئے۔

ضرور انھوں نے دوسری طرف سے آکر اس کا راستہ روکنا تھا۔

پیٹھ دکھا کر وہ بھاگ نہیں سکتا تھا۔ اتنا بزدل وہ نہیں تھا۔

اس وقت اس کا حال اس کہاوت کے مطابق تھا کہ

"آر یا پار"

وہ جاننا چاہتا تھا کہ ان کے ارادے کیا ہیں۔ وہ لوگ چاہتے کیا ہیں اس سے۔ اتنا تو وہ سمجھ گیا تھا کہ اس وقت وہ لوگ اسے کوئی جانی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے کیونکہ اگر ایسا کچھ ہوتا تو اب تک وہ اسے مار چکے ہوتے۔ مگر یہاں اس کا اندازہ غلط ہو گیا۔

کچھ لمحوں کا کھیل تھا۔ اس کی دوسری طرف سے ایک فائر آکر اس کے بازو پر لگا۔ چونکہ شیشہ نیچے تھا اس لیے فائر کرنا آسان رہا۔ بازو میں ہوتی تکلیف سے اس کا دیھان جیسے ہی بٹا۔ ایک تیسرا آدمی آیا اور ان نقاب پوش کے ساتھ بیٹھ کر غائب ہو گیا۔

ویرانے میں ہونے کے باعث آس پاس سے کسی کو معلوم نہیں ہوا۔

گھر پہنچتے اس کو وقت لگ جانا تھا۔ اب ایک ہی طریقہ تھا اور وہ تھا کہ وہ کسی کو بلا لے۔

سجاد کا ہاسپٹل قریب تھا اس لیے اس نے اس کو کال کی اور مختصر کر کے سارے حالات بتا کر بلایا۔

سجاد کے آنے تک اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔ اتنا تو وہ جانتا تھا کہ یہ سب تیمور خان کا کیا کرایا ہے۔

مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ حرکت کر کے اس نے اپنے لیے مشکل اور بڑھا لی ہے۔

سجاد آدھے گھنٹے میں پہنچا۔ اس کے ساتھ اس کوئی وارڈبوائے بھی تھا۔

اس نے جہان کو اپنی گاڑی میں شفٹ کیا اور وارڈبوائے کو اس کی گاڑی گھر پہنچانے کا کہا۔ ہاسپٹل پہنچ کر پہلے اس کی بازو سے گولی نکالی گئی۔

سارے ٹریٹمنٹ کے بعد قاسم صاحب کو بتایا گیا۔ قاسم صاحب نے اسے گھر لانے کا کہا۔

ان کے گھر پہنچنے کے بعد بھی قاسم صاحب نے کوئی سوال نہیں کیا۔ سجاد نے جہان کو پین کلر دی جس کی وجہ سے وہ کچھ دیر میں سو گیا۔

سلما بیگم اپنی بہن کے گھر تھیں اس لیے ان کو اس واقعے کا علم نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ جاگ چکا تھا۔ تھوری دیر تو چھت کو گھورتا رہا۔ جب دماغ نے کام کرنا شروع کیا تو آج کا ہوا واقعہ یاد آیا۔ اس نے اپنے اطراف میں نظر گھمائی تو قاسم صاحب اسے دوسرے طرف صوفے پر بیٹھے نظر آئے۔ جو سنجیدگی سے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"جہان ہاشمی کیا تمہیں اندازہ ہے کہ تم ایک نمبر کے پاگل، فارغ اور خر دماغ ہو۔"

اتنے سنجیدہ ماحول میں بھی اس کو ہنسی آگئی جو چھپانے کے لیے اس نے سر منہ دوسری طرف کر لیا۔ مگر اس کی یہ حرکت قاسم صاحب کی نظر سے مخفی نہ رہ سکی اور یہ حرکت ان کا پارا مزید بڑھا گئی۔

"کھوتے، پاگل، خبیث آدمی تمہیں اندازہ ہے کہ تمہیں گولی لگنے کا سن کر میری کیا حالت ہوئی تھی۔ میری باتیں سن کر تمہیں ہنسی آ رہی ہے؟ ۔۔۔۔۔۔ کیا باپ کو مارنا چاہتے ہو۔"

اب کہ انھوں نے بے بسی سے کہا۔

"ابو"

جہان احتجاجی انداز میں بولا۔

"کیا ابو؟ ہاں کیا ابو؟ جانتے ہو جب سے مجھے دائود نے سارے حالات کا بتایا ہے تب سے میری جان سولی پر اٹکی ہے۔ تمہیں لے کر کیسے کیسے وسوسے آتے ہیں دل میں اس بات کا کوئی اندازہ ہے تمہیں ۔۔۔۔۔ میرے بیٹے کے لوگ جان کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ یہ بات مجھے کس قدر پریشان کرتی ہے تم نہیں جانتے ایک باپ کی اپنے اولاد کے لیے فکر کو تم نہیں سمجھتے۔ تم کیا جانو کہ ہر نماز اور تہجد کے وقت تمہارا باپ تمہاری سلامتی کی دعائیں کرتا ہے۔

جب خود باپ بنو گے نہ تب سمجھ آئے گی تمہیں میری حالت ۔۔۔۔۔ میں ہمیشہ سے تمہاری اس فیلڈ کے خلاف تھا۔ میں کبھی اپنے بچوں کو مشکل میں نہیں دیکھ سکتا۔"

وہ جذباتی ہو کر بولے۔

"ابو میری بات تو سنیں۔"

جہان نے بولنا چاہا۔

"نہیں آج تم میری سنو ۔۔۔ جب تم جانتے تھے کہ اس کیس کے پیچھے کی کہانی تو تم نے اس میں کیوں ہاتھ ڈالا۔ نا صرف اپنی بلکہ حناع کو بھی مشکل میں ڈالا۔ جب تمہیں دائود نے منع کیا تھا تب بھی تم نہیں رکے۔ تم جانتے ہو کہ تمہارت ساتھ کسی اور کی بھی زندگی جڑی ہے۔ اگر تمہیں کچھ ہوا تو اس کا کیا ہو گا۔"

انہوں نے جان کر یہ حوالہ دیا۔

"تو آپ کیا چاہتے ہیں رشتوں کے لیے فرض کو چھوڑ دوں۔"

اب کی بار اس کو بھی غصہ آیا۔

"فرض چھورنے کو کس نے کہا ہے۔ احتیاط بھی کوئی چیز ہوتی ہے جہان ہاشمی۔ آج کا واقعہ تمہاری بے احتیاطی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔"

اشارہ بازو کی طرف تھا جس پر پٹی بند ھی تھی۔

Hooria AHMAD

"تو اب آپ کیا چاہتے ہیں۔"

وہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ اس سے کیا چاہتے ہیں۔ پتہ اس کو تھا مگر ان کے منہ سے سننا چاہتا تھا۔

"اس کیس کو چھوڑ دو۔"

جواب توقع کے عین مطابق آیا۔

"یعنی آپ چاہتے ہیں کہ میں بزدلوں کی طرح پیٹھ دکھا کر بھاگ جائوں۔"

اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم بلاوجہ مسئلے کو ہوا دے رہے ہو۔"

انھوں نے سمجھانا چاہا۔

"میں صرف جواب دے رہا ہوں۔ اس نے اپنا دائو چھپ کر کھیلا۔ میں کھل کر کھیلوں گا۔"

جہان پر اسرار مسکرایا۔

"کیا کرنا چاہتے ہو تم اب۔"

قاسم صاحب کو تجسس ہوا۔

"کچھ نہیں ابھی تو میں کچھ کام سے جا رہا ہوں۔ یہ مت پوچھیے گا کہ کہاں کیونکہ ابھی میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتا۔ بس مجھ پر بھروسہ رکھیں۔"

وہ پوچھنا چاہتے تھے مگر خاموش ہو گئے۔ جب کہ جہان ذہن میں آگے کا منصوبہ ترتیب رہا تھا۔

جب کہ قاسم صاحب بے بسی سے اس گدھے کو دیکھ رہے تھے جس کو گولی لگنے کے بعد بھی چین نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دن گزرتے گئے۔ حالات اب بھی وہی تھے۔ افسوس کے نام پر الفاظ میں چھپے طنز آفتاب صاحب وغیرہ کو سننے کو مل رہے تھے مگر اب وہ کچھ حد تک دماغی طور پر پرسکون ہو گئے تھے۔

مگر یہ سکون زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا۔ حورام کی گرتی صحت ان کو پریشان کر رہی تھی۔

جو نتیجہ نظر آرہا تھے وہ چاہ کر بھی اس کو قبول نہیں کر پا رہے تھے۔ انہوں نے ہر بات کو موسمی بیماری کا نام دینا چاہا۔

مگر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے۔ وہی ہو گا جو منظور خدا ہوگا۔

نائمہ بیگم اس کو ڈاکٹر کے لے گئیں۔ پھر کچھ ہی دیر بعد ان کے شک پر یقین کی مہر لگ گئی۔ حورام امید سے تھے۔ وہ لوگ سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ وہ خوش ہو یا غمگین۔ حقیقت کا کسی کو معلوم نہیں تھا۔

لوگوں نے پھر سے باتیں بنانا شروع کر دیں تھیں۔

اس سب کا ایک ہی حل تھا اور وہ تھا حورام کی جلد رخصتی۔ حورام کی خاموشی میں یہ خبر سننے کے بعد بھی کوئی بدلاؤ نہیں آیا۔

آفتاب صاحب نے دوسری طرف جب یہ خبر سنائی۔ تو دوسری طرف تو خوشی کا سماں بن گیا۔

جلد رخصتی کے لیے وہ لوگ بھی راضی ہو گئے۔

افراتفری میں نکاح کی تیاریاں ہوئیں۔ رشتے داروں کو دعوت نامہ بھجوا دیا گیا۔ جہاں کچھ لوگوں کو خوشی ہوئی وہیں کچھ کو حیرت۔ لوگوں نے طرح طرح کے سوال پوچھے۔ طرح طرح کی باتیں کیں۔ مگر آفتاب صاحب وغیرہ نے ان باتوں کو نظر انداز کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

حورام کی پریگنینسی کی نیوز ابھی بھی پوشیدہ تھی۔

جب کہ دوسری طرف وہ اپنے کمرے میں خاموشی سے بیٹھی تھی۔

اسے آج کل گھبراہٹ، الجھن، بے بسی اور اداسی ہو رہی تھی۔ ابھی بھی وہ ایسے ہی بیٹھی تھی کہ اچانک اسے محسوس ہوا کہ وہ یہ منظر پہلے دیکھ چکی ہے۔ خود کو اس حالت میں اور کیفیت میں دیکھ چکی ہے پہلے بھی۔

ایک جھماکے سے اسے اپنا وہ خواب ذہن میں آیا۔ اس میں بھی تو اس نے یہی دیکھا تھا۔ تو کیا اس خواب میں ان حالات کی پیشنگوئی تھی۔

وہ اپنے ہونے والے شوہر کو نہیں جانتی تھی مگر اس کے دل میں اس کے لیے کوئی جذبات نہیں تھے۔

اپنے ہونے والے بچے کو لے کر بھی وہ اب تک جذبات سے آری تھی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ اس بات پر خوش ہو یا اداس کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ جنت اس کے قدموں تلے آنے والی ہے۔

آج یہ باتیں سوچ کر اس کے چہرے پر ہلکی سے مسکان آئی جس سے وہ خود بھی بے خبر تھی۔

دل حالانکہ اب بھی بے چین تھا اور اس بے چینی کو ختم کرنے کا ایک ہی طریقہ تھا اور وہ تھا اپنے رب سے کلام کرنا یعنی نماز۔

اس لیے بغیر وقت کا ذائع کیے اس نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ دعا کے وقت بھی اس نے اپنے مستقبل کے لیے آسانی مانگی۔

اور اللہ ہمیشہ اپنے بندے کی دعا قبول کرتا ہے۔ اب یہ وقت نے بتانا تھا کہ یہ آسانی اسے کس طرح اور کن حالات میں ملے گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نکاح کی تیاری زور و شور سے جاری تھی۔ گھر اندر اور باہر سے پوری طرح سجا ہوا تھا۔

اس کی ساری ننیھالی کزنز آچکی تھیں۔ ماریہ بھی بچوں سمیت موجود تھی۔

سب نے مل کر خوب رونق لگائی۔ ماریہ ڈھولک بجا رہی تھی، مہرہ اور حرا اونچا اونچا گا رہی تھیں۔ تائشہ بھی کبھی ماریہ کے ساتھ ڈھولک بجانے کی کوشش کرتی تو کبھی مہرہ اور حرا کے ساتھ گانا گانے کی۔

ایشان کو تو سونے کے علاوہ کوئی کام نہیں تھا۔ اتنے شور میں بھی وہ گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہا تھا۔

جبکہ عام طور پر بچے شور میں نہیں سوتے اور ایشان جیسی آفت تو بالکل بھی نہیں۔

فاریہ بیگم بھی پاکستان آچکی تھیں۔ انھیں تھوڑا گلہ تھا آفتاب صاحب سے کہ انھوں نے شان کا انتخاب کیوں نہیں کیا۔ مگر نہ جانے آفتاب صاحب نے ان کو کیا جواز پیش کیا کہ وہ چپ ہو گئیں۔

اس کی پریگنینسی کا علم کسی کو نہیں تھا۔ صرف گھر والوں کو پتہ تھا۔

اس سارے ماحول میں بھی حورام بالکل سنجیدہ چہرا لیے بیٹھی تھی۔ اس کی شکل دیکھ کر لوگوں کو مزید باتیں بنانے کا موقع مل گیا۔

"اب کیوں منہ سوجا کر بیٹھی ہے۔ شکر نہیں کرتی کہ اس سے کوئی شادی کرنے کو تیار ہو گیا۔"

یہ حورام کی ممانی تھیں جو بے اولاد تھیں۔ ان کو حورام سے عجیب بیر تھا۔ بیر بھی خود ہی ڈالا تھا۔

حورام ان سے زیادہ بات نہیں کرتی تھی نہ زیادہ ڈرتی تھی۔ ورنہ ان کی زبان سے ہر کوئی پناہ مانگتا تھا۔

ابھی بھی وہ زبان کے نشتر چلانے سے بعض نہیں آئیں۔ حورام جو اتنے دن سے چپ تھی ان کی باتوں پر اس کا دماغ گھوم گیا۔ اس سے پہلے وہ کچھ کہتی حرا اور مہرہ نے اسے چپ کرا دیا تاکہ بدمزگی نہ ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے دن اس کا نکاح تھا۔ نکاح سادگی سے ہونا تھا اور دوپہر کو ہونا تھا اور رات کو رخصتی ہونی تھی۔

اس کو ایک ہلکا پھلکا کام والا لال رنگ کا جوڑا پہنایا گیا۔ ہلکا سے میک اپ کیا گیا۔

تیاری کے بعد اس پر سرخ جالی کا دوپٹہ ڈالا گیا۔ ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ لڑکے والوں کے آنے کا شور اٹھا۔

کچھ دیر بعد اس کے کمرے میں مرد حضرات آئے۔ جن میں ارباس صاحب، حمدان اور ایک اور بزرگ تھے جن کو وہ جانتی نہیں تھی۔

"حناع حورام شاہ ولد آفتاب شاہ آپ کا نکاح جہان ہاشمی ولد قاسم ہاشمی سے پچیس لاکھ روپے سکہ رائج الوقت کے عوض کیا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔"

اس کا دماغ ایک دم سے بالکل مائوف ہو گیا۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت جیسے کچھ پل کے لیے بند ہو گئی۔

"کیا آپ کو قبول ہے۔"

ٹرانس کی سی کیفیت میں اس نے سر ہلا کر قبول کیا۔ وہ صرف اتنا جانتی تھی کہ یہ وہی ہے جو اس بچے کا باپ ہے۔

اپنے شوہر کے لیے اس کے دل میں کوئی جذبات نہیں تھے، نہ محبت نہ نفرت۔

ایجاب و قبول کے بعد اس کو باہر ڈرائنگ روم میں لا کر اس کے شوہر کے ساتھ بٹھایا گیا۔

دونوں کے درمیان خاموشی تھی۔ دونوں میں سے کسی نے بھی اس خاموشی کو توڑنے کی کوشش نہیں کی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اب دلہا دلہن سے ملنے ملانے کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ سب آکر باری باری ان سے مل رہے تھے۔

کوئی ان کا صدقہ دے رہا تھا تو کوئی انہیں دعائیں دے رہا تھا۔

مہرہ اور حرا کی تو خوشی کا الگ ہی لیول تھا۔ وہ دونوں کیا۔ اس کے سارے گھر والے بہت خوش تھے۔

کافی دیر تک اسے آفتاب صاحب اور نائمہ بیگم نظر نہ آئے۔ اسے ان دونوں کی غیر موجودگی شدت سے محسوس ہوئی۔

وہ مہرہ کو کہنے ہی والی تھی کہ وہ دونوں آکر ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ آفتاب صاحب نے اسے اپنے ساتھ لگایا۔

وہ جو نکاح قبول کرتے نہیں روئی، ان کے ساتھ لگتے ہی رو پڑی۔

آفتاب صاحب پیار سے اس کا سر تھپک رہے تھے۔ نائمہ بیگم نے پیار سے اس کا ماتھا چوما۔

"اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔۔۔۔۔۔ تمہیں ڈھیر ساری خوشیاں دیں۔۔۔۔۔ تمہارے لئے آسانیاں پیدا کرے۔"

اس سے ملنے کے بعد اب وہ اپنے کچھ پل پہلے بنے داماد سے مل رہے تھے۔

نائمہ بیگم اس سے بہت پیار سے مل رہی تھیں۔ بالکل ایک اچھی ساس کی طرح۔ آفتاب صاحب اس کے گلے لگے اور اس کے کان میں کچھ کہا۔ ان کی آواز کم ہونے کی وجہ سے حورام کو ان کی سرگوشی سمجھ نہیں آئی۔

اس نے زرا سا سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

وہ پہلی بار اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے بے ساختہ وہ دھندلا چہرہ یاد آیا۔

اب وہ چہرہ صاف نظر آرہا تھا۔ بلا شبہ وہ ایک وجیہ مرد تھا۔ اچھا قد کاٹھ، پرکشش شخصیت۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ ہینڈسم تھا۔ حورام نے دل سے اس بات کو قبول کیا۔ مگر پھر بھی کچھ تھا جو اسے بے چین کر رہا تھا۔

آفتاب صاحب سے ملنے کے بعد وہ اٹھ کر چلا گیا۔ حورام کو اس کا اس طرح باہر جانا عجیب لگا۔

Hooria AHMAD
WRITING STORIES • SHARING THOUGHTS • INSPIRING MINDS

اس کے جانے کے بعد قاسم صاحب اس کے پاس آئے۔ اسے یاد آیا کہ یہ وہی بزرگ تھے جو نکاح کے وقت آئے تھے۔ ان کو دیکھ کر اسے ایسے لگا کہ وہ ان سے پہلے بھی ملی ہے۔

وہ اس سے بہت پیار سے ملے۔ اس کو مبارکباد دی۔ اسے بہت پیار دیا۔ خوشی ان کے چہرے پر دکھ رہی تھی۔ اسے وہ بہت اچھے لگے۔

اسے بعد میں پتہ چلا کہ وہ اس کے سسر ہیں۔ جب کہ اس کی ساس نے مبارکباد کے علاوہ کچھ نہیں کہا۔ اس کا شوہر نکاح کے بعد اسے دوبارہ نظر نہیں آیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اچانک رخصتی کا شور اٹھا۔ اسے مزید حیرت ہوئی کیونکہ اسے کہا گیا تھا کہ رخصتی رات کو ہو گی۔ جبکہ ابھی تو شام تھی۔

پہلے اس نے کون سا کوئی احتجاج کیا تھا جو اب کرتی اس لیے خاموش رہی۔

رخصتی کے وقت وہ آفتاب صاحب کے ساتھ لگ کر بہت روئی۔ آفتاب صاحب کی آنکھیں ضبط سے لال تھیں۔

نائمہ بیگم بھی اس کے سامنے نہیں روئیں۔ پھوپھو، خالہ اور تایا بھی اس کے سامنے نہیں روئے۔

اتنے سنجیدہ ماحول میں اس کے چہرے پر مسکان تب آئی جب اس نے حمدان کو روتے دیکھا۔

حمدان نے روتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ جب کہ اب وہ اس کے شوہر کو اس کا خیال رکھنے کی ہدایات دے رہا تھا۔

"میری بہن کا بہت خیال رکھنا ہان۔ خبردار اگر اسے تنگ کیا ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ سمجھے۔۔۔۔۔۔یہ میری بہت پیاری بہن ہے۔"

حمدان بالکل ایک سخت سالے کی طرح جہان کو ہدایات دے رہا تھا۔ جس پر وہ بھی ایک معصوم بہنوئی کی طرح سر ہلا رہا تھا۔

اس نے بابا کے منہ سے اس کا نام ہان ہی سنا تھا۔

اب مہرہ اور حرا کی باری تھی۔ وہ دونوں بہت زیادہ روتے ہوئے اس سے ملیں۔

"ہاں بھائی ہماری بہن کا بہت خیال رکھنا۔ یہ بہت اچھی ہے اس لیے یہ اچھا ڈیزرو کرتی ہے۔۔۔۔۔۔ اس کو ہم سے ملوانے لاتے رہیے گا۔"

مہرہ نے روتے ہوئے جہان سے کہا۔

"بس کر دو کتنا تنگ کرو گے اس بیچارے کو۔"

ماہم بیگم نے ان کو ٹوکا۔

" کیوں چپ کریں، ایک تو آپ لوگوں نے ہمارا گینگ توڑ دیا اور اب ہمیں روک رہے ہیں۔ ہم ان کو اپنی اتنی پیاری بہن دے رہے ہیں۔ اگر یہ ہماری شرائط نہیں مانیں گے تو ہم بھی اپنی بہن کو جانے نہیں دیں گے۔"

حرا فل لڑاکا انداز میں بولی۔

"ٹھیک ہے بچو جیسا آپ لوگ کہو گے ویسا ہی ہوگا۔"

اب کی بار قاسم صاحب بولے۔ جس پر ان دونوں کو کچھ اطمینان ہوا۔

تائشہ نے مہرہ کی گود میں چڑھ کر حورام کا گال چوما جس پر اس نے مسکرا کر اس کا گال چوما۔ آج نا جانے کیوں اسے لگا کہ تائشہ اس کے سامنے شرما رہی تھی۔ جب کہ ایشان تو اس کے پاس بھی نہیں آیا۔ پورا دن یا تو وہ سوتا رہا یا پھر کسی نہ کسی مرد کی گود میں چڑھا رہا۔ زیادہ سختی آج حمدان کی آئی ہوئی تھی۔ کیونکہ ایشان بار بار اسے باہر جانے کی فرمائش کرتا رہا تھا۔

ماریہ نے اس کے سر پر چادر لا کر ڈالی۔ وہ اس کے ساتھ ہی جا رہی تھی۔ کیونکہ یہ ایک رسم تھی کہ لڑکی کے ساتھ کوئی شادی شدہ لڑکی جائے۔ اس لیے اس کے ساتھ ماریہ کو بھیجا جا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تین گھنٹے کے سفر کے بعد گاڑی گاؤں کی حدود میں داخل ہوئی۔ یہاں کافی خاموشی تھی۔ ایک طرف بالکل جھاڑیاں تھیں۔ ایک طرف قطار میں چھوٹے بڑے گھر تھے۔

اس کا بہت پرتپاک استقبال ہوا۔ اندر آتے ہی اس پر پھول برسائے گئے۔ گھر کافی بڑا تھا۔

اندر آتے ہی سامنے ٹی وی لاؤنج شروع ہو جاتا تھا۔

اس کی دائیں طرف ڈرائنگ روم تھا۔ اس کے دو دروزے تھے ایک اندر اور ایک باہر کی طرف ڈرائنگ روم سے آگے ایک دوازہ تھا جس کے اندر سے اوپر کے پورشن کی طرف سیڑھیاں تھیں۔ اور سیڑھیوں سے پیچھے ایک دروازہ تھا۔ جو گھر کی بیک سائیڈ کا تھا۔ اس دروازے کے ساتھ ایک کمرہ تھا جو گیسٹ روم تھا۔ اس کے ساتھ لونڈری روم تھا۔ اس کے ساتھ قاسم صاحب اور سلمابیگم کا کمرہ تھا۔ اس کے ساتھ سجاد اور عائزہ کا کمرہ تھا۔

اس کے بعد ایک اور کمرہ تھا جو کسی کا نہیں تھا۔

اس کے آگے کچن تھا۔ کچن کے دو حصے تھے۔ ایک حصہ میں پکانے کی جگہ تھی۔ دوسرے حصے میں برتن دھونے کی جگہ تھی۔ اور سارا کچن کا سامان تھا۔

اوپر کے پورشن میں بھی چار کمرے تھے۔ جن میں سے ایک جہان کا تھا اور اب حورام کا بھی تھا۔

رسمیں کوئی خاص نہیں ہوئیں۔ اس نے بھی اتنا نہیں سوچا۔ کیونکہ وہ حد درجہ تھکی ہوئی تھی۔

اس کی پریگنینسی کا بھی آغاز تھا۔ یہ بھی وجہ تھی۔

اسے کمرے میں عائزہ چھوڑ کر گئی۔ اسے اپنی جیٹھانی اچھی لگی۔ اس کا جیٹھ سنجیدہ سا آدمی تھا۔

کمرے میں آکر اس کا جہان کا انتظار کرنے کا بالکل بھی کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس لیے اس نے الماری کھولی جہاں پہلے سے اس کے کپڑے موجود تھے۔

فریش ہونے کے بعد وہ سیدھا بیڈ پر لیٹ گئی۔ آنکھیں بند کر کے آج کے دن کے بارے میں سوچنے لگی۔

اس کی زندگی کیا سے کیا ہو گئی۔

ابھی وہ سوچوں میں گم تھی کہ کمرے کا دروازہ کھلا۔

بنا دیکھے بھی وہ جانتی تھی کہ کون ہے۔ اس نے آنکھیں کھولنے کی بھی زحمت نہیں کی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس کے کزنز اور دوستوں نے اس کو گھیر رکھا تھا۔ وہ اس کو چھوڑ ہی نہیں رہے تھے۔

اس کی جان بخشی بھی قاسم صاحب نے کروائی۔ اس کا ارادہ کمرے میں جا کر حورام سے بات کرنے کا تھا۔ مگر اس سے پہلے کے وہ اپنی سوچ پر عمل کرتا اسے دائود صاحب کی کال آگئی۔ ان کی بات سن کر اس نے گہرا سانس لیا۔ اٹھارہ سال جس کا انتظار کیا وہ پاس تھی مگر ایک بار پھر کچھ وقت کی دوری درمیان میں آگئی۔ اس نے قاسم صاحب کو کال کے بارے میں بتایا جس پر وہ بھی پریشان ہو گئے۔

مگر مجبوری تھی اس لیے انھوں نے کچھ نہیں کہا۔

وہ جب کمرے میں داخل ہوا تو اسے سوتے پایا۔ وہ جانتا تھا وہ سو نہیں رہی۔ مگر کہا کچھ نہیں مگر وہ چپ بھی نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ اس سے بہت ساری باتیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے سب کچھ بتانا چاہتا تھا۔

مگر قسمت میں ابھی اور انتظار لکھا تھا۔

وہ چلتے چلتے بیڈ کے قریب گیا اور اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ کافی دیر تک خاموشی سے اس کا چہرہ تکتا رہا۔

وہ ہمیشہ اس کو اپنے پاس لانا چاہتا تھا۔ مگر جن حالات میں وہ اس کے پاس آئی وہ حالات اچھے نہیں تھے۔

وہ اس کے بچے کی ماں بننے والی تھی وہ باپ بننے والا تھا۔ یہ خوشی ناقابل بیان تھی۔

وہ اس خوشی کو اس کے ساتھ سیلیبریٹ کرنا چاہتا تھا مگر فرض بیچ میں آگیا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم جاگ رہی ہو۔۔۔۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہارے دل میں بہت سے سوال ہیں۔۔۔۔۔۔ میں ان سب کا جواب دوں گا۔۔۔۔۔ مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہوگا۔۔۔۔۔ جلدی واپس آنے کی کوشش کروں گا اور آتے ہی تمہارے سارے سوالوں کے جواب دوں گا۔۔۔۔۔ تب تک اپنا اور ہمارے بچے کا خیال رکھنا۔"

اس نے جھک کر حورام کی کنپٹی کو چھوا اور اٹھ گیا۔

حورام نے آنکھیں زور سے میچیں۔ جہان نے اس کی یہ حرکت بخوبی دیکھی مگر بولا کچھ نہیں۔

اپنا ضروری سامان لے کر وہ چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی حورام اٹھ کر بیٹھ گئی اور اس کی باتیں سوچنے لگی۔

"وہ کہاں چلا گیا۔۔۔۔ کیوں چلا گیا۔۔۔۔۔ کیا آج کے دن اس کو جانا چاہیے تھا۔"

اس طرح کے کافی سوال اس کے دماغ میں آ رہے تھے۔ مگر ان کا کوئی جواب موجود نہیں تھا۔

اس نے کہا تھا کہ وہ آکر اس کے سوالوں کے جواب دے گا۔ اب حورام کے پاس کوئی چارا نہیں تھا سوائے اس کے کہ وہ اس کا انتظار کرتی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے دن صبح صبح آفتاب صاحب وغیرہ ناشتہ لے کر آ گئے۔ قاسم صاحب نے خوب مہمان داری نبھائی۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کی ساس اس کی اور اس کے گھر والوں کی موجودگی سے خوش نہیں تھیں۔ ان کے ساتھ ایک اور لڑکی بھی تھی جو اسے اسے گھور رہی تھی جیسے اس نے اس کی کوئی چیز چرا لی ہو۔

اب حورام کو کیا معلوم کہ جہان سے شادی کر کے اس نے اس لڑکی کی خواہش کا قتل کر دیا ہے۔

تانیہ کا تو کل سے صدمہ نہیں جا رہا تھا۔ کہاں وہ ہمیشہ جہان سے شادی کا خواب دیکھتی تھی یا یہ کہنا بہتر ہو گا کہ اسے خواب دکھایا جاتا تھا۔

حورام نے اسے دیکھ کوئی رد عمل نہیں دیا البتہ مہرہ اور حرا دونوں نے اسے ایک سخت گھوری دی کیونکہ وہ مسلسل ان کی بہن کو گھور رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حورام مہرہ اور حرا کو اپنے کمرے میں لے آئی۔ جو اب اس کے کمرے کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھ رہی تھیں۔

"کیا ہو گیا ہے؟ ایسے کیا دیکھ رہی ہو دونوں؟"

حورام نے ان کے دیکھنے کے انداز پر چوٹ کی۔

"ہم دیکھ رہے ہیں کہ اللہ کیسی کیسی شکلوں کو اتنا دے دیتا ہے۔"

جواب حرا کی طرف سے آیا۔

"کیا مطلب ایسی شکل؟"

حورام گھور کر بولی۔

"مطلب تم جیسی فارغ، سڑیل، بدزوک لڑکی کو اتنا اچھا گھر اور اتنا ہینڈسم شوہر مل گیا۔ میں کہتی تھی نہ حرا کہ یہ جتنا کہتی تھی نہ کہ شکل بے شک نہ ہو، اسے اچھا مل جائے گا اور ہمیں کوئی فارغ سا۔"

مہرہ نے بظاہر دکھی مگر حورام کو چڑانے کے غرض سے کہا۔ حسب توقع وہ چڑ بھی گئی اور ہمیشہ کہ طرح غصے سے بولی۔

"کیا بدتمیزی ہے۔ میرے سامنے تم لوگ مجھے ہی فارغ بول رہے ہو۔"

حورام تپ کر بولی۔

"الے الے ہمارا سڑیل بچہ تپ گیا۔۔۔۔ کیا حورام تمہیں پتہ ہے کہ وہ مذاق کر رہی ہے۔۔۔۔۔۔ تم جانتی ہو پھر بھی تپ جاتی ہو۔"

حرا نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"یار جب تم اسے غصے میں بولتی ہو نہ قسم سے بڑی کیوٹ لگتی ہو۔"

مہرہ ابھی بھی بعض نہیں آئی۔

"بھاڑ میں جائو۔۔۔۔۔"

حورام تپ کر کمرے سے نکل گئی۔ پیچھے مہرہ اور حرا نے ایک دوسرے کو تالی ماری۔ ان کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔ حورام کی خاموشی ان کو چب رہی تھی اس لیے ان دونوں نے یہ کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آفتاب صاحب اس کو مکلاوے کے لیے گھر لے آئے۔ گھر آکر بھی ملنے ملانے کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ جب تک مہمان گئے تب تک رات ہو چکی تھی۔ وہ کافی زیادہ تھک گئی تھی اس لیے سو گئی۔

اگلے دن بھی کوئی نہ کوئی آتا رہا اس سے ملنے۔ جس کی وجی سے اسے گھر والوں کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع نہیں ملا۔

آج کی رات بھی اس کی اپنے گھر ہی گزری۔ اسے حیرت ہوئی کہ کوئی بھی سسرال سے اس کو لینے کیوں نہیں آیا۔

اس سے پہلے کہ وہ کسی سے پوچھتی نائمہ بیگم نے اسے بتایا کہ جہان کی واپسی تک وہ ان کے پاس ہی رہے گی۔

یہ فیصلہ قاسم صاحب کا تھا۔ ان کو معلوم تھا کہ ان کے گھر اس کا خیال کوئی نہیں رکھے گا۔ سلما بیگم تو بالکل نہیں۔ جبکہ عائزہ اپنے کام کی وجہ سے۔

حورام نے اس بار بھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ لاشعوری طور پر جہان کا انتظار کرنے لگی۔ مگر وہ ایسا گیا کہ پلٹ کر پوچھا بھی نہیں۔

یہی بات اس کے غصے میں اضافہ کر رہی تھی۔ پریگیننسی کی وجہ سے وہ ویسے بھی چڑچڑی ہو رہی تھی۔ جہان کی غیر موجودگی اس کے چڑچڑے پن میں اضافہ کر رہی تھی۔

ایسے کرتے کرتے پانچ مہینے گزر گئے۔ چیک اپ کے وقت بھی جہان کے غیر موجودگی اور ڈاکٹر کی اس کے شوہر کی غیر موجودگی کے متعلق سوال اس کو چڑا رہے تھے۔

گھر والے اس کا بہت خیال رکھ رہے تھے۔ سب لوگوں نے اس کو ہاتھوں کا چھالہ بنایا ہوا تھا۔ مگر اس سب کے باوجود بھی وہ شدید الجھن کا شکار تھی۔ بیٹھے بٹھائے اس کو بلاوجہ رونا آرہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مزید چار مہینے گزر گئے اور اس کا نواں مہینہ شروع ہو گیا تھا۔ جہان نہیں آیا، نہ کوئی رابطہ کیا۔ اس کے یہی غیر موجودگی حورام کے دل میں اس کے لیے بدگمانی بڑھانے لگی۔

کچھ دن بعد اس کو اچانک لیبر پین ہوئی۔ مگر کسی سٹرائک کے باعث وہ لوگ ہوسپٹل نہ جا سکے۔

ان کے محلے کی ایک خاتون نرس تھیں۔ ان کو بلا کر حورام کی ڈیلیوری گھر پر کی گئی۔ ڈیلیوری ہوتے ہی وہ غنودگی میں چلی گئی۔

کچھ دیر بعد آنکھ کھلنے پر اس کی گود میں ایک ننھا سا وجود دیا گیا جس کو دیکھ کر اسے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ دنیا کا سب سے خوش کن احساس۔ اس نے جھک کر اس ننھی سی جان کا ماتھا محبت سے چوما۔

یک دم ہر سوچ پیچھے چلی گئی۔ جہان کی غیر موجودگی، اس کا غصہ سب کچھ۔، یاد رہا تو بس اتنا کہ اس وقت اس کی گود میں اس کا بچہ ہے۔

Hooria AHMAD
WRITING STORIES • SHARING THOUGHTS • INSPIRING MINDS
URDU NOVELS PSYCHOLOGY ARTICLES & MORE

ابھی وہ اس ننھے سے وجود کو دیکھ رہی تھی جب ایک خاتون آئیں اور اس سے بچے کو لے لیا اور آرام کرنے کو کہا۔ اس کا بالکل دل نہیں تھا بیبی کو خود سے دور کرنے کا مگر سر بھاری ہونے کی وجہ سے اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

دوبارہ جب آنکھ کھولی تو ایک بری خبر اس کی منتظر تھی۔

"حورام تمہارا بچہ اس دنیا میں نہیں رہا۔"

یہ بات سنتے ہی وہ گویا سکتے میں آگئی۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ نجانے کیوں وہ خاموش بیٹھی رہی۔

ایک بار پھر اسے ایسا محسوس ہوا کہ یہ سب وہ پہلے دیکھ چکی ہے۔ کافی پہلے دیکھا گیا خواب آج حقیقت بن گیا۔ ایک تلخ اور تکلیف دہ حقیقت۔

بچے کی موت بالکل سڈن تھی۔ بغیر وجہ کے۔

ایک بار پھر جہان کی غیر موجودگی شدت سے اسے محسوس ہوئی اور آج کا واقع بدگمانی کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا تھا۔

جب کہ جہان کے فرشتوں کو بھی علم نہیں کہ دوسری طرف بیٹھی بیوی اس سے شدید بدگمان ہے۔

بدگمانی بھی ایسی جس کے دور ہونے میں بہت وقت درکار ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس کو دوبارہ چپ لگ گئی تھی۔ بچے کا جنازہ اسی دن ہو گیا تھا۔ بچے کو لے جاتے وقت بھی حورام بالکل خاموش تھی۔ نہ وہ روئی، نہ چیخی چلائی۔

اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا تھا۔ طبیعت بھی روز روز گرتی جارہی تھی۔

مگر وہ بے حس بنی بیٹھی تھی۔ ساری ساری رات جاگتی رہتی۔ سب نے کہا کہ وہ سکتے میں ہے اس کا رونا بہت ضروری ہے مگر وہ نہیں روئی۔ ایک آنسو بھی نہیں گرا اس کی آنکھوں سے۔

دو دن بعد وہ اچانک بے ہوش ہو گئی۔ ڈاکٹر نے وجہ سٹریس بتائی۔

آفتاب صاحب اسے لے کر بہت پریشان تھے۔ حورام کی چپ ٹوٹ ہی نہیں رہی تھی۔ قاسم صاحب بھی جب افسوس کرنے آئے اس سے تب بھی وہ بے تاثر چہرہ لیے بیٹھی رہی۔

دو دن بعد:

آدھی رات کا وقت تھا۔ وہ اپنے کمرے میں گہری نیند میں تھی۔ ڈاکٹر نے اسے نیند کی دوائی دی تھی۔ کیونکہ وہ بہت زیادہ سٹریس لے رہی تھی۔

نیند میں اسے کمرے میں کسی کی موجودگی محسوس ہوئی۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہا مگر ناکام رہی۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ اسے اپنے گرد کسی کی موجودگی محسوس ہوئی۔

کوئی اس کا ہاتھ تھام کر چوم رہا تھا۔ اسے اپنے ہاتھوں پر نمی محسوس ہوئی۔

نیند میں اس کو ایک ہی بات سنائی دی۔

سوری!

کسی نے اس کا ماتھا شدت سے چوما۔ مقابل کے آنسو اس کو اپنے چہرے پر محسوس ہوئے۔ اس کے بعد وہ غنودگی میں چلی گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مزید ایک مہینہ گزر گیا، حورام کچھ حد تک سنبھل گئی تھی۔ بولتی وہ اب بھی زیادہ نہیں تھی۔ مگر اب گھر میں تھوڑا گھلنا ملنا شروع ہو گئی تھی۔

مقصد اپنے ماما پاپا کو بے فکر کرنا تھا جو اس کی فکر میں ہلکان ہو رہے تھے۔

آج کل گھر میں مہرہ اور عمار کے رشتے کی بات ہو رہی تھی۔

دائود بھٹی اور آفتاب صاحب بچپن سے ساتھ تھے۔

ان کا حساب بھی وہی نسل در نسل دوستی والا تھا۔

آفتاب شاہ اور دائود صاحب دوست تھے۔ پھر میڈی عرف حمدان اور عمار دوست بنے۔

داؤد صاحب خود پولیس میں تھے۔ ان کے دو ہی بچے تھے۔ عمار سے چھوٹی ایک بہن ماہا تھی۔ جو خود ابھی انٹر میں تھی۔ ان کی بیوی نور بھٹی کا انتقال دو سال پہلے ہوا تھا۔

داؤد صاحب کی ایک بہن تھیں مریم جو انگلینڈ رہتی تھیں۔ میاں اور اپنے تین بچوں کے ساتھ۔ ان کے دو بیٹے تھے اور ایک بیٹی۔ بیٹی شادی شدہ تھی۔ ایک بیٹا ابھی ماسٹرز کر رہا تھا۔ جس کی بات ماہا سے پکی تھی جب کہ ایک بیٹا انٹر میں تھا۔

رشتے کی بات کے لیے داؤد صاحب نے قاسم صاحب کو بھی ساتھ لیا۔ مریم کچھ مسائل کی وجہ سے آ نہ سکیں۔ انھوں نے شادی میں آنے کا وعدہ کیا۔

رشتہ ڈالنے کا سوال وہ آفتاب صاحب کے زریعے ارباس صاحب تک پہنچا چکے تھے۔

ارباس صاحب کو بھلا کیا اعتراض ہونا تھا۔ عمار سب کا دیکھا بھالا تھا۔ اس لیے ایک ہفتے کے اندر اندر بات پکی کر دی گئی۔

پہلے فیصلہ دو مہینے بعد منگنی کا کیا گیا تھا مگر حورام کے کہنے پر منگنی کی جگہ ایک مہینے بعد نکاح رکھا گیا۔

"منگنی کوئی پائیدار رشتہ نہیں ہے۔۔۔۔ نکاح ایک مضبوط رشتہ ہے۔ اس لیے منگنی سے بہتر ہے نکاح کر دیا جائے۔"

حورام کی بات سب بڑوں کو بھی ٹھیک لگی اس لیے سب راضی ہو گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نکاح کی تیاری شروع ہو چکی تھی۔ حورام اب مزید بہتر ہو چکی تھی۔ اب وہ ہنس بھی رہی تھی اور سب کے ساتھ گھل مل بھی رہی تھی۔ ساری تیاریوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھی۔ آخر لیتی بھی کیوں نہ اس کے گینگ کا ایک اور بندہ اب اس کے ساتھ کا ہو گیا ہے۔ یعنی نکاح شدہ۔ خود تو وہ شادی شدہ تھی مگر مہرہ بھی اب نکاح شدہ ہونے والی تھی جس پر حورام بہت خوش تھی جب کہ حرا اداس۔

نکاح میں ایک دن رہ گیا تھا۔

سب سے زیادہ بولنے والی مہرہ اس وقت بالکل چپ بیٹھی تھی۔ جو ناممکنات میں سے تھا۔ سمیعہ بیگم تو اس کی خاموشی پر شکر ادا کر رہی تھیں۔

مہرہ جتنی باتونی تھی اس کو دیکھ کر سب کو یہی لگتا تھا کہ وہ اپنی شادی کے دن بھی خاموش نہیں بیٹھ سکے گی۔

آج حورام اور حرا پورے موڈ میں تھیں۔ آج مہرہ کی جگہ حورام اور حرا نے اور حورام کی جگہ مہرہ نے سنبھالی ہوئی تھی۔

حورام بار بار کوئی نہ کوئی بات مہرہ کے کان میں کر کے اس کو شرمانے پر مجبور کر رہی تھی۔

کبھی مہرہ شرما جاتی اور کبھی حورام کو بدلے میں گھور دیتی۔

کچھ دیر کے لئے حورام اور حرا اٹھ کر گئیں تب مہرہ نے سکون کا سانس لیا۔ مگر زیادہ دیر سکون نہیں رہ سکا کیونکہ کچھ دیر بعد حورام پھر واپس آگئی جب کہ حرا کو ماہم بیگم نے کسی کام سے بلا لیا تھا۔ اب کی بار اس کے چہرے پر ایک شیطانی مسکراہٹ تھی جو مہرہ کو کسی خطرے سے کم نہیں لگ رہی تھی۔

حورام کا ایک ہاتھ پیچھے کی طرف تھا جیسے کچھ چھپایا ہو۔

"تمہاری شکل دیکھ کر مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ تم کوئی خباثت دکھانے لگی ہو۔"

مہرہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ جواب میں حورام نے اپنا چھپا ہوا ہاتھ سامنے کیا۔

اس کے ہاتھ میں موجود چیز دیکھ کر مہرہ کی آنکھیں سائز سے زیادہ بڑی ہوگئیں۔

جب کہ اس کے تاثرات دیکھ کر حورام نے بہت مشکل سے اپنا قہقہ ضبط کیا۔ وہ جانتی تھی کہ اس وقت اس کے ہاتھ میں موجود مہندی مہرہ کے لیے موت کے مترادف ہے۔

"میں تو کچھ نہیں کر رہی۔ جو بھی ہو رہا ہے وہ تمہارے ہونے والے میاں جی کی مرضی سے ہو رہا ہے۔"

حورام نے سنجیدہ شکل دکھا کر کہا۔ وہ جیسے ہی مہندی لے کر اس کے پاس بیٹھی۔ مہرہ اٹھ کر پیچھے ہوگئ۔

کچھ ہی دیر میں اس کا چہرہ ایسا بن گیا جیسے ابھی رو دے گی۔

آخر کار حورام کو اس پر ترس آگیا۔

"اوئے اب رونے مت لگ جانا۔ نہیں لگا رہی مہندی تمہیں۔ مذاق کر رہی تھی۔۔۔۔۔یہ میں اپنے لیے لائی ہوں۔"

حورام نے اس کو تسلی دیتے کہا مگر بدلے میں مہرہ نے اس کو زور سے تکیہ مارا۔

"بدتمیز عورت۔۔۔۔۔ تم نے جان بوجھ کر اسے کہا۔"

مہرہ تپ کر بولی۔

"اوبی بی آرام نال۔۔۔۔یہ فرمائش تمہارے ہونے والے سرتاج کی تھی مگر شکریہ ادا کرو میرا جس نے ان کو تمہاری مہندی کو لے کر چڑ کے بارے میں بتا دیا۔ ورنہ خالہ تو جھٹ سے حامی بھرنے والی تھیں۔"

حورام احسان جتاتے بولی۔ جس پر مہرہ نے سکھ کا سانس لیا۔

یہ سچ تھا کہ عمار کی خواہش تھی کہ مہرہ مہندی لگائے اور سمیعہ بیگم راضی تھیں۔ مگر حورام جانتی تھی کہ مہرہ کو مہندی کی سمیل سے بھی گھبراہٹ ہوتی تھی لگوانا تو دور کی بات تھی اس لیے اس نے عمار کو مناسب الفاظ میں بتا دیا۔ عمار نے بھی اس بات پر زیادہ زور نہیں دیا۔

وہ زبردستی کا قائل نہیں تھا۔ اس کے لیے مہرہ کی خوشی اور کمفرٹ کی خاطر خاموش ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نکاح کا دن بھی آن پہنچا۔ نکاح دوپہر میں تھا۔ مہرہ کے ساتھ حرا اور حورام پارلر گئی تھیں۔ ان لوگوں نے سیدھا ہال ہی جانا تھا۔ ماریہ کے اپنے سسرال میں شادی تھی جس کی وجہ سے وہ نکاح میں شرکت نہیں کر پائی۔

جب وہ تینوں ہال پہنچیں تب تک باقی سارے گھر والے بھی پہنچ چکے تھے۔

حورام نے ریڈ کلر کی ساڑھی پہنی ہوئی تھی۔ مہرہ نے میرون کل کی میکسی جب کہ حرا نے پرپل کلر کا گاؤن۔

مہرہ کو برائیڈل روم میں حرا کے ساتھ بٹھا کر وہ باہر انتظام دیکھنا شروع ہو گئی۔ مہرہ کی ننھیالی کزنز بھی تھیں۔ انہوں نے مل کر لڑکے والوں کو ویلکم کرنا تھا۔

جیسے ہی لڑکے والے پہنچے لڑکیاں ساری دروازے میں پھول لے کر کھڑی ہو گئیں۔ جب کہ مرد باہر چلے گئے ویلکم کے لیے۔

ارباس صاحب اور آفتاب صاحب نے داؤد صاحب اور قاسم صاحب کو پھولوں کے ہار پہنائے۔

لڑکیوں نے سب پر پھول ڈالے۔ عائزہ حورام سے مل کر بہت خوش ہوئی۔ قاسم صاحب نے اسے بہت پیار دیا۔

سلما بیگم نے ہمیشہ کی طرح کوئی گرمجوشی نہیں دکھائی۔ سجاد نے اس کا سر پر ہاتھ رکھا۔

ہال میں پارٹیشن کی گئی تھی۔ ایک مردوں کی سائڈ اور ایک عورتوں کی سائڈ۔

کچھ دیر بعد مولوی صاحب بھی آ گئے۔ پہلے مہرہ سے پوچھا گیا۔ مہرہ کی دفعہ ارباس صاحب نہیں آئے۔ بلکہ آفتاب صاحب اور حمدان آئے۔

ایجاب و قبول کے بعد حورام نے سب کو مٹھائی کھلائی۔ جب کہ منہا نے بید بانٹی۔

غرض کے بغیر کسی مشکل اور بدمزگی کے دن گزر گیا۔

کھانے کے اور فوٹو سیشن کے بعد سب گھر رخصت ہو گئے۔ عمار اور مہرہ کی رخصتی ایک سال بعد کی رکھی گئی تھی۔ مہرہ کا بی کام اگلے سال ختم ہو رہا تھا۔ رزلت کے بعد شادی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وقت کا کام ہے گزرنا اور وہ گزرتا رہتا ہے کسی کے لیے رکتا نہیں ہے۔

سب لوگ اپنے معمول پر واپس آ گئے تھے۔ اگر کسی کے لیے وقت ٹھہر گیا تھا تو وہ تھی حورام۔

سب کے سامنے ہنسنے بولنے والی اس لڑکی کا دل بالکل خاموش تھا۔

جو نقصان اس کا ہو گیا تھا اس کی بھرپائی ناممکن تھی۔ سب نے اس کو تسلی دی۔ مگر جس کی تسلی کی اور مسیحائی کی اس کو ضرورت تھی، وہ تو جیسے اس سے بالکل انجان سا ہو گیا تھا۔

اس نے جانے سے پہلے کہا تھا کہ وہ جلدی آئے گا۔ مگر ایک سال ہو گیا پر وہ نہیں آیا۔ نو مہینے جن میں عورت کو اپنے شوہر کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے، اس وقت وہ اس کے ساتھ نہیں تھا۔

اولاد کھونے کے بعد کے تکلیف دہ وقت میں بھی وہ اس کے ساتھ نہیں تھا۔

اس کا دل بہت بھرا ہوا تھا۔ نجانے جہان کے کھاتے میں کتنے شکوے، شکایات تھے جن سے وہ انجان تھا۔

اب جیسے حورام کو صبر آ گیا تھا یا یہ کہنا بہتر ہو گا کہ اس نے امید چھوڑ دی تھی۔

اس وقت بھی وہ لائونج میں بیٹھی بظاہر ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ مگر زہنی طور پر وہ کہیں اور موجود تھی۔

" آپ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا ہان۔ میرے مشکل وقت میں آپ کبھی میرے ساتھ نہیں تھے۔ میاں بیوی تو ایک دوسرے کے دکھ درد کے ساتھی ہوتے ہیں مگر آپ تو کبھی میرے ساتھی نہیں بنے ۔۔۔۔۔۔ ہر میدان میں آپ نے مجھے اکیلا کر دیا۔۔۔۔۔ اس کے لیے میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔۔۔۔ جھوٹے ہیں آپ، دھوکے باز ہیں۔ نفرت کرتی ہوں میں آپ سے۔"

دل میں بدگمانی بڑھتی جا رہی تھی۔

شک اور بدگمانی رشتے کو خراب کر دیتی ہے۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ ان کے رشتے کی بدگمانی ختم ہوتی ہے یا بڑھتے بڑھتے ان کے رشتے کو ختم کرتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے دن قاسم صاحب، سلما بیگم اور عائزہ کے ساتھ اسے لینے آ گئے۔

آفتاب صاحب راضی تھے۔ نائمہ بیگم نے اسے کافی سمجھا بجھا کر بھیجا۔

گھر آ کر پہلے دن تو وہ بہت بور ہوئی۔ کرنے کو کچھ تھا ہی نہیں۔ سلما بیگم اس سے بات نہیں کرتی تھیں جبکہ عائزہ اور سجاد صبح کے گئے رات کو آتے تھے۔

قاسم صاحب سے اس کی دوبارہ ملاقات نہیں ہوئی۔

اگلی صبح ناشتے کے وقت اس کی قاسم صاحب سے ملاقات ہوئی۔

ناشتے کے بعد سجاد اور عائزہ اپنے کام پر جب کہ سلما بیگم اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

خود وہ اٹھ کر لان میں جا کر بیٹھ گئی۔ کالے بادل آئے ہوئے تھے۔ موسم دیکھ کر صاف پتہ لگ رہا تھا کہ بارش ہونے والی ہے۔

گائوں کا ماحول شہر کے مقابل میں زیادہ پر سکون تھا۔ شہر میں اس وقت گرمی ہو رہی تھی۔ جب کہ گائوں میں اس وقت اچھا موسم تھا۔ نہ زیادہ گرمی تھی نہ سردی۔

اس کو ہمیشہ سے گائوں جانے کا شوق تھا مگر ان کا اپنا کوئی آبائی گائوں نہیں تھا۔

اس وقت بھی وہ چائے کا مگ ہاتھ میں لیے بیٹھی اپنے خیالوں میں گم تھی جب قاسم صاحب اس کے ساتھ والی کرسی پر آکر بیٹھ گئے۔

ان کو ساتھ بیٹھا دیکھ کر وہ اپنی سوچوں سے باہر آئی۔ ان کو دیکھ کر رسمی مسکراہٹ دی۔

"میرا پتر کلا کیوں بیٹھا ہے۔"

ان کا انداز بالکل آفتاب صاحب جیسا شفقت والا تھا۔

"کچھ نہیں انکل بس ایسے ہی بیٹھی تھی، کرنے کو کچھ تھا ہی نہیں۔"

اس کے انکل بولنے پر قاسم صاحب کے چہرے پر تکلیف دہ مسکان آئے۔

"ایک وقت تھا جب میرا بچہ مجھے چاچو کہتا تھا۔ مگر اب میرا بچہ کسی پرائے کی طرح انکل بول رہا ہے۔"

ان کی بات پر حورام نا سمجھی سے ان کو دیکھنے لگی۔

"جب تم پیدا ہوئی تھی نہ اس دن میں بہت خوش تھا۔ آفی میرے لیے بھائی جیسا دوست تھا۔ یہ نہیں کہ میرا کوئی اور دوست نہیں تھا۔ مگر آفی اور دائود میرے جگری یار تھے۔ پہلے میں بھی تم لوگوں کے محلے میں ہی رہتا تھا۔ ہمارا گھر کچھ ہی فاصلے پر تھا۔

تم ہمیشہ سے خاموش اور شرمیلی سے بچی رہی ہو۔ آفی جب تمہیں لے کر باہر آتا تھا تب بھی تم اس کے سوا کسی کے پاس نہیں جاتی تھی۔ تم تھی بھی بہت خوبصورت اور معصوم۔ تمہیں دیکھ کر نا چاہتے ہوئے بھی تم پہ پیار آجاتا تھا۔"

بولتے بولتے قاسم صاحب جیسے کہیں کھو گئے تھے۔

"تمہیں جب پہلی بار میں ہاسپٹل دیکھنے آیا تھا تب جہان میرے ساتھ تھا۔ وہ خود اس وقت آٹھ سال کا تھا۔ اسے چھوٹے بچے بہت پسند تھے۔ جب اس نے تمہیں دیکھا تب ہی اس نے کہہ دیا تھا کہ یہ میری فرینڈ ہے۔ جب تک تم اور بھابھی ہاسپٹل رہے تب تب روز جہان تمہیں میرے ساتھ دیکھنے آتا تھا۔

جب بھابھی دو مہینے کے لیے اپنے گھر گئیں۔ اس وقت میں جہان بہت اداس رہا۔ کچھ ہی دن میں وہ تم سے بہت مانوس ہو گیا تھا۔

جب بھابھی واپس آئیں۔ تب وہ روز میرے ساتھ تمہارے گھر آنے لگا۔ میں باہر رہتا جب کہ وہ گھر کے اندر جا کر تمہارے ساتھ کھیلتا۔ تمہارے ساتھ کھیلتے وہ اکثر حمدان اور عمار کے ساتھ بھی نہیں کھیلتا تھا جب کہ وہ دونوں اس کے ہم عمر تھے اور سکول فرینڈز تھے۔۔۔۔ وہ ہمیشہ سے تمہیں لے کر بہت حساس تھا"

قاسم صاحب کی باتیں سن کر بھی اس کے دل میں کوئی نرمی نہیں آئی۔

"کیا فائدہ اس فکر کا جب مشکل وقت میں میرا ساتھ نہیں دیا۔"

قاسم صاحب اب اپنے، آفتاب صاحب اور داؤد صاحب کی دوستی کے قصے سنا رہے تھے۔ اس لیے حورام دماغ میں آتی سوچیں جھٹک کر ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Hooria
AHMAD
WRITING STORIES • SHARING THOUGHTS • INSPIRING MINDS

پھر یہ معمول بن گیا۔ قاسم صاحب اور اس کے بیچ جو اجنبیت کی دیوار تھی وہ گر گئی۔ جس میں قاسم صاحب کا سب سے زیادہ ہاتھ تھا۔

وہ چاہتے تھے کہ ان کا حورام کا تعلق پہلے جیسا ہو جائے جب وہ کسی بھی بات کے لیے بلا جھجک ان کے پاس آجاتی تھی۔

وہ دونوں روز صبح واک پر جاتے۔ ان دونوں کی اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی۔ حورام ان سے بہت باتیں کرنے لگی تھی۔ سب سے زیادہ خوشی اس کو اس بات کی بھی تھی کہ قاسم صاحب بھی چائے کے شوقین ہیں۔ اس طرح کو اس کو اپنا چائے پارٹنر بھی مل گیا۔

اب وہ دونوں چچا بھتیجی اکثر ساتھ پائے جاتے تھے۔

حورام نے ان کو انکل کی جگہ چاچو بولنا شروع کر دیا تھا۔

ان کی باتیں جوں ہی شروع ہوتیں تو رات ہو جاتی مگر ان کی باتیں ختم نہ ہوتیں۔

عائزہ سے بھی اس کی اچھی گپ شپ تھی۔ چھٹی والے دن وہ بھی ان دونوں کو جوائن کر لیتی اور اس طرح ان تینوں کا گروپ بن جاتا۔

سجاد زرا خشک مزاج تھا۔ وہ اپنے کام سے کام رکھنے والا اور زیادہ تر خاموش رہنے والا بندہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ابھی کچھ دیر پہلے ہی اس کی قاسم صاحب اور عائزہ کی باتوں کی محفل برخاست ہوئی تھی۔

وہ دونوں بھی سونے چلے گئے اور وہ بھی سونے کے لیے روم میں آگئی۔

وہ جب روم میں آئی تو اندھیرے میں کسی کو کھڑے دیکھ کر حیران ہوئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

"کون"

حورام کے لائٹ جلانے پر وہ وجود پلٹا۔۔

"آپ؟"

حورام نے مقابل کو دیکھ کر حیرانی سے کہا۔

"جی میں۔۔۔۔۔۔۔آپ کا مجازی خدا۔"

جہان نے اس کی حیران شکل دیکھ کر کہا۔

حورام نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کو دیکھتے ہی اسے ایک دم سے غصہ آگیا، اس لیے خاموشی کے ساتھ الماری سے اپنے لیے آرام دہ کپڑے نکالے اور جہان کے قریب سے گزر کر واش روم چلی گئی۔

حورام کے انداز پر جہان نے اپنا سر کھجایا۔

"لگتا ہے بیگم کچھ زیادہ ہی ناراض ہیں۔"

اس نے دل میں سوچا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ ابھی حورام کے گھر سے ہو کر آرہا تھا۔ مہرہ اور حرا سے خاص ملا کیونکہ حورام اس سے ناراض تھی اس لیے اس نے سوچا کہ اس کے گھر والوں سے معلوم ہو اسے منانے کا طریقہ۔

مگر آگے اسے یہ جان کر مایوسی ہوئی کہ اس کی بیوی بہت مشکل انسان ہے۔

آفتاب صاحب اور نائمہ بیگم سے اسے پتہ چلا کہ حورام کو منانا کافی مشکل ہے۔ ویسے تو وہ ناراض کم ہی ہوتی تھی مگر جب ہوتی تھی تب اس کو منانا خاصا مشکل کام ہوتا ہے۔ جب کہ جہان صاحب تو اس وقت اس کی ہٹ لسٹ پر ہیں۔ جس کی وہ اس وقت شکل دیکھنے کی روادار نہیں بات کرنا تو دور کی بات ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"مجھے تم سے بات کرنی ہے۔"

وہ جب واشروم سے باہر آئی تب جہان نے بات کا آغاز کیا۔ جسے وہ انسنی کر کے اس کے پاس سے گزرنے لگی مگر جہان نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنے روبرو کیا۔ اس کے انداز میں زرا سی بھی سختی نہیں تھی۔

"میری بات سنو۔"

حورام نے اپنا بازو اس کی گرفت سے آزاد کروایا۔

"مجھے آپ کی بات سننے میں کوئی دلچسپی نہیں ہیں۔"

روکھا انداز۔

"سننی پڑے گی۔"

اس نے زور دے کر کہا۔

"کوئی زبردستی ہے کیا۔"

حورام نے دانت پیستے کہا۔

"زبردستی نہیں درخواست ہے تم سے۔"

جہان عاجزی سے بولا۔ مگر حورام کو کہاں محسوس ہونا تھا۔

"مجھے آپ کی کسی درخواست یا کسی بات کو نہیں سننا۔ بہتر یہی ہے کہ مجھ سے بات کرنے سے گریز کریں۔"

لحجہ بے لچک تھا۔

"حورام میری بات سنو۔"

جہان کے دوبارہ زور دینے پر اسکا دماغ جو پہلے ہی غصے سے گھوما ہوا تھا مزید گھوم گیا۔

"کیوں؟ کیوں سنو آپ کی بات ۔ ہاں کیا بات سنوں آپ کی۔"

وہ تپ کر بولی۔

"حورام مجھے وضاحت کا موقع دوں۔"

جہان نے ایک اور کوشش کی مگر اب حورام کا صبر جواب دے چکا تھا۔ وہ جو اسے نظرانداز کرنا چاہتی تھی مگر جہان خود ہی سوتے شیر کو جگانے کی گستاخی کر چکا تھا۔

"کیوں کس بات کی وضاحت ہاں ۔۔۔۔۔۔۔ کس بات کی وضاحت ۔۔۔۔۔ پہلے اپ میرے سوالوں کا تو جواب دیں۔۔۔۔۔۔

کہاں تھے آپ جب مجھے بدکردار کہا جا رہا تھا۔۔۔۔۔۔ کہاں تھے اس وقت جب ہمارا بچہ دنیا میں آیا۔۔۔۔۔۔ کہاں تھے آپ جب مجھے دو گھنٹے بعد ہمارے بچے کے مرنے کی خبر ملی۔ اندازہ ہے آپ کو مجھے کتنی ضرورت تھی آپ کی اس وقت۔

اندازہ لگا سکتے ہیں کیا کہ مجھے کتنی تکلیف ہوئی اپنے بچے کا مردہ وجود دیکھ کر۔

یہ تھی آپ کی محبت مجھے تکلیف دہ وقت میں اکیلا چھوڑنا آپ کی محبت تھی۔"

وہ حد درجہ غصے میں بول رہی تھی اور وہ خاموشی سے سن رہا تھا۔

کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال رہی ہے۔ وہ باتیں جو اس کے دل میں ایک سال سے تھیں۔ جو اس نے کسی سے شیئر نہیں کی۔

اس نے کھینچ کر اسے زبردستی گلے لگایا۔ وہ بے قابو ہوئی زخمی شیرنی بنی ہوئی تھی۔

یہ بات وہ خود بھی جانتا تھا کہ اس کی کوئی وضاحت اس کو مطمئن نہیں کر سکتی۔

"میں ہر وقت تمہارے ساتھ تھا۔

تب بھی جب تمہیں خود کا بھی نہیں پتا تھا، تب بھی تمہارے متعلق ہر خبر رکھتا تھا۔

میں نے کسی لمحے بھی تم سے غفلت نہیں برتی۔

تم سے دور رہنا میری مجبوری تھی۔ میں تمہیں خود سے جڑے خطروں سے دور رکھنا چاہتا تھا۔

میں جانتا ہوں کہ مشکل وقت میں تمہارے ساتھ نہیں تھا مگر تم یہ کیوں بھول گئی کہ اگر تم اس بچے کی ماں تھی تو میں بھی اس کا باپ تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تم نے اس کو اپنی گود میں لے کر محسوس کیا۔۔۔۔۔۔۔مگر نہ میں اس کا چہرہ دیکھ سکا نہ اسے محسوس کر سکا۔۔۔۔۔ میں صرف اس کی قبر پر ہی جا سکا۔

میرے لیے یہ کتنا تکلیف دہ تھا تمہیں اندازہ ہے۔ وہ میری بھی اولاد تھی۔ تم سے اور اس سے میں غافل نہیں تھا مگر تم دونوں کی حفاظت کی خاطر تم سے دور تھا۔

میری محبت کا اندازہ تم کبھی نہیں لگا سکتی۔ مجھے تم سے کتنی محبت ہے یہ تو میں خود نہیں جانتا۔ اگر مجبوری نہ ہوتی تو کبھی تم سے دور نہیں رہتا۔"

وہ اسے اپنے دل کا حال بتا رہا تھا مگر وہ تو اس کی باہوں میں ہی بے ہوش ہو گئی تھی۔

جہان نے لے جا کر اسے بیڈ پر لٹایا اور خود عائزہ کو بلانے چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دروازے پر ہوتی مسلسل دستک پر سجاد نے کمرے کا دروازہ کھولا تو سامنے جہان کو پایا جو بے چینی سے چکر کاٹ رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔ اتنی رات کو یہاں کیا کر رہے ہو۔۔۔۔ واپس کب آئے۔"

سجاد نے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔

"بھائی میں آپ کو سب بتاؤں گا مگر ابھی آپ بھابھی کو اٹھا دیجیے۔ حورام بے حوش ہو گئی ہے۔ "

جہان کے کہنے پر سجاد نے عائزہ کو اٹھایا جس کو سوئے ہوئے تھوڑا ہی وقت ہوا تھا۔ عائزہ نے حورام کا چیک اپ کیا اور وجہ اس کا بی پی لو ہونا اور سٹریس بتائی۔

حورام کو سکون کا انجیکشن دینے کے بعد وہ چلی گئی اور جاتے جاتے جہان اسے سٹریس سے دور رکھنے کی تاکید کرنا نہ بھولی۔

عائزہ کے جانے بعد جہان اس کے پاس بیڈ پر بیٹھا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔

آئم سوری، آئم ریلی سوری ۔۔۔۔ میں جانتا ہوں کہ بار بار نہ چاہتے ہوئے بھی میں تمہارے دکھ کی وجہ بنا ہوں ۔۔۔ مگر اس دن میں نے جو بھی کیا تمہاری خاطر کیا ۔۔۔۔ میں جانتا ہوں میرے الفاظ تمہاری تکلیف کا مداوا نہیں کر سکتے مگر میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے ہر عمل سے میں تمہاری تکلیف دور کروں گا۔"

اس نے حورام کے ماتھے کو چھوا اور اس کے قریب ہی لیٹ گیا۔

نظریں اس کے چہرے پر ہی تھیں جو بالکل مرجھایا ہوا تھا۔

اتنا تو وہ سمجھ گیا تھا کہ آگے اس کے لیے حالات بہت مشکل ہونے والے ہیں۔ حورام اسے اچھا خاصا ٹف ٹائم دینے والی ہے۔

تھکن کے باعث جلد ہی اس پر نیند مہربان ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح حورام کی آنکھ سر میں ہوتے درد کے باعث کھلی۔

اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔ آس پاس نظر گھما کر دیکھا تو اپنے سے تھوڑے فاصلے پر اسے لیٹے دیکھ کر وہ جھٹکے سے اٹھی۔

جہان دوسری طرف کروٹ لیے سو رہا تھا۔ حورام نے اس کی پیٹھ کو گھورا اور بستر سے اٹھ گئی۔

وہ چونکہ گہری نیند میں تھا اس لیے اس کے اٹھنے کا پتہ نہیں چلا۔

حورام نیچے پورشن میں گئی تو اسے سامنے ہی عائزہ نظر آئی۔ اسے جاگتا دیکھ کر عائزہ اس کے پاس آئی۔

"کیا ہوا؟ اتنی ڈل کیوں ہو رہی ہو۔"

عائزہ نے فکرمندی سے پوچھا۔

"پتہ نہیں بھابھی سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔ جسم بھی درد کر رہا ہے۔ آنکھیں بھی نہیں کھل رہیں۔"

عائزہ نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر چیک کیا۔

"تمہیں تو بخار ہو رہا ہے۔۔۔۔ ایک کام کرو پہلے کچھ کھا لو پھر میں تمہیں دوائی دیتی ہوں۔ تم آج ریسٹ کرو۔"

عائزہ نے اسے زبردستی ناشتہ کروا کر دوائی دی اور روم میں بھیج دیا۔

روم میں آتے ہی اس کا سامنا جہان سے ہوا۔ جو بالکل فریش سا شیشے کے سامنے کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر فکرمندی سے پلٹا۔

"کیا ہوا ہے تمہیں۔ چہرا اتنا مرجھایا ہوا کیوں ہے۔"

جہان نے اس فکرمندی سے پوچھا۔

"آپ کی ہی مرہون منت ہے۔"

جہان نے اس کی بات کو نظر انداز کر کے اسے تھام کر بٹھانا چاہا۔ مگر حورام نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"آپ کی فکر کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔۔ جیسے پہلے بے فکر تھے اب بھی ویسے ہی رہیں۔ یہ جھوٹی فکر دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

حورام سختی سے بولی۔

"کیا چاہتی ہو تم۔۔۔ کیا کروں میں؟"

جہان نے تحمل سے پوچھا۔

"مجھ سے دور رہیں۔۔۔۔ جب جب آپ کو دیکھتی ہوں نئے سرے سے میرے دکھ تازہ ہوتے ہیں۔"

حورام نے اسکے سکون بھرے انداز پر دانت پیستے کہا۔

"ایسا کیا کر دیا ہے میں نے ۔۔۔۔۔۔ کہ تم مجھ سے اتنی بدگمان ہو ۔۔۔۔۔۔۔ حقیقت کا زرا سا بھی علم ہے تمہیں۔"

جہان سنجیدگی سے بولا۔ اس کے لہجے میں کوئی سختی نہیں تھی۔

"آپ کو اپنے عمل پر زرا شرمندگی نہیں۔ اندازہ ہے آپ کو کہ آپ کی وجہ سے کسی کی زندگی خراب ہو گئی۔ اپنی من مانی کرتے وقت آپ نے ایک بار بھی میرا نہیں سوچا کہ میں، میرے گھر والے لوگوں کو کیا جواب دیں گے۔ آپ نہیں جانتے کہ حالات و واقعات کچھ بھی ہوں۔ قصوروار ہمیشہ عورت زات ٹھرائی جاتی ہے۔"

جہان کا ٹھنڈا انداز اس کو تپا گیا۔

کیسے وہ اتنے آرام سے پوچھ رہا ہے کہ اس نے کیا کیا۔ جیسے وہ جانتا ہی نہ ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جہان سے اچھی خاصی بحث کے بعد اس کا بالکل بھی وہاں رہنے کا دل نہیں تھا۔ وہ اپنے گھر جانا چاہتی تھی۔ جہان سے بات وہ کرنا نہیں چاہتی تھی اور سلمابیگم کو بھی وہ کم ہی مخاطب کرتی تھی۔ وہ سیدھا قاسم صاحب کے پاس گئی اور ان سے اپنے گھر جانے کے لیے اجازت مانگی۔

جب کہ قاسم صاحب اس سب کے لیے پہلے سے تیار تھے اس لیے انھوں نے اسے جہان کے ساتھ بھیج دیا۔

پورا راستہ خاموشی سے کٹا۔ نہ جہان نے کوئی بات کی نہ حورام کچھ بولی۔

گھر پہنچتے ہی وہ جیسے ہی گاڑی سے نکلنے لگی جہان نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ جس پر اس نے اسے سخت گھوری سے نوازا جو وہ نظر انداز کر گیا۔

"تم کہتی ہو نہ مجھے اپنے کیے پر شرمندگی ہے یا نہیں تو سن لو مجھے اپنے کیے پر کوئی افسوس نہیں کیونکہ میں نے جو کیا صحیح کیا۔ تمہیں لے کر میں کوئی رسک نہیں لے سکتا۔ اگر مجھے دوبارہ ایسا کرنا پڑا تو میں کروں گا۔"

یہ بول کر اس نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ حورام اس کو کوئی بھی جواب دیے بغیر گاڑی سے اتر گئی۔

اس کی نظروں نے تب تک اس کا پیچھا کیا جب تک وہ گھر کے اندر نہیں چلی گئی۔

Hooria AHMAD
WRITING STORIES • SHARING THOUGHTS • INSPIRING MINDS

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ گھر میں جیسے ہی داخل ہوئی۔ خاموشی نے اس کا استقبال کیا۔ اتوار کا دن تھا اور سب سو رہے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں گئی تو اسے آفتاب صاحب اور نائمہ بیگم نہیں دکھے۔

کسی کو اٹھا کر پوچھنا اسے مناسب نہیں لگا۔ اس لیے اس نے آفتاب صاحب کو کال کر کے پوچھا۔ جو پہلی دفعہ میں اٹھا لی گئی۔

"السلام و علیکم"

"وعلیکم السلام ! کیسا ہے میرا بچہ۔"

آفتاب صاحب ہمیشہ کی طرح پیار سے بولے۔

"میں ٹھیک ہوں آپ لوگ کہاں ہیں۔ میں گھر آئی ہوئی ہوں۔"

اس وقت وہ ان سے بہت ساری باتیں کرنا چاہتی تھی یا یہ کہنا بہتر ہو گا کہ اپنے دل کی مزید بھڑاس نکالنا چاہتی تھی۔

"بیٹا میں تمہاری ماں کو لے کر بازار آیا ہوں۔ اسے کچھ سامان لینا تھا۔ ہم تھوڑی دیر میں پہنچتے ہیں۔"

آفتاب صاحب نے نائمہ بیگم کو جلدی کا اشارہ کرتے حورام سے کہا۔

"ٹھیک ہے میں آپ لوگوں کا انتظار کروں گی۔ اللہ حافظ"

"اللہ حافظ۔"

آفتاب صاحب کو اس کے گھر آنے پر کوئی حیرانی نہیں ہوئی۔

کل رات جہان جب ان کے گھر آیا تھا وہ تب ہی سمجھ گئے تھے اب حورام گھر ضرور آئے گی اور ہوا بھی وہی۔

جن حالات میں اس کا نکاح ہوا اور بچے کی موت ہوئی اس وقت ان کو اسے کچھ بھی بتانے کا موقع نہیں ملا۔ مگر اب وقت آگیا تھا کہ اسے سب بتا دیا جائے۔ ساری باتیں جن سے وہ لاعلم تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حورام کو چھوڑ کر وہ اپنے فلیٹ چلا گیا۔ وہ تھک چکا تھا۔ اسے آرام چاہیے تھا۔

کل رات کی تلخ کلامی اور صبح ہوئی بحث کے بعد اس کے سر میں شدید درد شروع ہو گیا تھا۔ اس نے سر درد کی دوائی لی اور سونے کے لیے لیٹ گیا۔

دماغ میں بہت سی باتیں چل رہی تھیں۔ آہستہ آہستہ ہو گھری نیند میں چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آفتاب صاحب کو قاسم صاحب کچھ دیر پہلے کے حالات سے آگاہ کر چکے تھے۔ اس لیے آفتاب صاحب نے نائمہ بیگم کو حورام سے بات کرنے کے لیے کہا۔

گھر پہنچتے ہی نائمہ بیگم حورام کے پاس بات کرنے کے غرض سے چلی گئیں۔

روم میں آتے ہی ان کو حورام گہری سوچ میں ڈوبی نظر آئی۔

"کن سوچوں میں گم ہے میری بیٹی۔"

نائمہ بیگم پیار سے بولیں جو کہ حورام سے بات کرتے ہوئے کم ہی ان کے لہجے میں ہوتا تھا۔ ابھی بھی صرف اس لیے ان کا لہجہ ایسا تھا کیونکہ ان کی بیٹی اب شادی شدہ تھی۔ اگر حالات مختلف ہوتے تو ان اس لہجے پر حورام ضرور غش کھا کر گر جاتی۔

"کیسی ہوں گی آپ کے خیال سے۔ آپ لوگوں نے میری شادی کر کے خود سے بوجھ اتار دیا۔"

اس کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

"کیا فضول بول رہی ہو۔۔۔۔۔ ہم نے کب تمہیں بوجھ سمجھا۔۔۔۔ تم ہماری بیٹی ہو کوئی بوجھ نہیں۔"

نائمہ بیگم سنجیدگی سے بولیں۔ ان کو لگا شاید سلما بیگم نے اسے کچھ کہا ہے اس لیے وہ ایسے بول رہی ہو۔

"اگر بوجھ نہیں تھی تو کیوں ایک زانی سے میری شادی کر دی۔۔۔۔۔۔۔ میں اس شخص کے بچے کی ماں بننے والی تھی۔۔۔۔۔ اچھا ہی ہوا کہ وہ بچہ مر گیا۔۔۔۔۔ تھا تو وہ ناجائز ہی نا۔۔۔۔۔۔"

حورام چیخ کر بولی۔

"بس کرو حورام جیسا تم سوچ رہی ہو ویسا کچھ نہیں ہے۔"

نائمہ بیگم نے اسے سمجھاتے کہا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا۔۔۔۔ کیا یہ سچ نہیں کہ ایک نامحرم نے مجھے ہاتھ لگایا۔۔۔۔ کیا یہ سچ نہیں کہ میں بغیر نکاح کہ اس کے بچے کی ماں بننے والی تھی۔"

وہ کسی صورت سمجھنے کو تیار نہیں ہو رہی تھی۔

"اپنے رشتے کو اور اپنی مری ہوئی اولاد کو گالی نہ دو۔

جو تم سوچ رہی ہو ویسا کچھ نہیں ہوا۔۔۔۔ تمہارا ریپ نہیں ہوا۔ تم بہت پہلے سے اس کے نکاح میں تھی۔"

نائمہ بیگم بے بسی سے بولیں۔ جب کہ ان کے کیے گئے انکشاف پر حورام حیران نظروں سے دیکھنے لگی۔

"ہاں یہ سچ ہے۔ جہان اور تمہارا نکاح بچپن میں ہوا تھا۔ تم محض چار سال کی تھی اور وہ بارہ سال کا۔"

بات کرتے کرتے نائمہ بیگم ماضی میں چلی گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(ماضی ۔۔۔۔۔۔ اکیس سال پہلے)

یہ منظر ہے راولپنڈی کے ایک پوش علاقے کا۔ جہاں ایک سوسائٹی میں لوگ بہت اتفاق سے رہتے تھے۔ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں ہمیشہ ساتھ ہوتے تھے۔

یہ شام کا وقت تھا۔ دو مرد حضرات آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ایک صاحب کی گود میں سات سے آٹھ ماہ کی بچی تھی۔ جب کہ دوسرے صاحب کے ساتھ آٹھ سال کا بچہ کھڑا تھا۔

"میں ابھی بھی اپنی بات پر قائم ہوں۔ میری خواہش ہے کہ ہماری دوستی رشتے داری میں بدل جائے۔"

یہ تھے قاسم صاحب جو اپنی بات منوانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"حورام ابھی بہت چھوٹی ہے۔۔۔۔ میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔۔ میں نہیں چاہتا کہ آگے جا کر کسی مشکل کا سامنا کرنا پڑے۔"

یہ تھے آفتاب صاحب جو نہایت پریشان نظر آرہے تھے۔ چھوٹی سی حناع حورام شاہ ان کے کندھے پر سر رکھے سو رہی تھی۔

حناع نام اس کا اس کی دادی زہرہ شاہ نے رکھا تھا۔ مگر نام رکھنے کے بعد وہ بہت زیادہ بیمار رہنا شروع ہو گئی۔ جس پر سب نے یہی کہا کہ اس کا نام بدل دیا جائے کیونکہ اکثر بچوں کو نام سوٹ نہیں کرتے جس کی وجہ سے وہ بیمار ہو جاتے ہیں۔ حناع نام اس کا دو ہفتے تک رہا۔

ویسے بھی کہا جاتا ہے کہ بچے کا پہلے سات دن تک جو نام ہوتا ہے وہی عرش پر لکھا جاتا ہے۔

حناع سے اس کا نام حورام رکھ دیا گیا۔ مگر چونکہ زہرہ شاہ کی خواہش تھی کہ اس کے نام کے ساتھ حناع لگے اس لیے کاغذات پر اس کا نام حناع حورام شاہ رکھ دیا گیا۔

اکیس سال پہلے تک قاسم صاحب بھی شہر ہی رہتے تھے اور آفتاب صاحب کے ایریا میں رہتے تھے۔ ان کے گھروں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ تھا۔

حورام آٹھ مہینے کی ہو گئی تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ قاسم صاحب کی خواہش بھی زور پکڑنے لگی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ جہان اور حورام کا رشتہ پکا کر دیا جائے۔

مگر آفتاب صاحب ڈرتے تھے۔ ان کے ڈر کی دو وجوہات تھیں۔

ایک مالی حالات کا فرق، دوسرا سلما بیگم۔ وہ اچھے سے یہ بات جانتے تھے کہ سلما بیگم کو ان کی دوستی پسند نہیں۔

دو تین دفعہ تو ان کی موجودگی میں ان دونوں کی لڑائی ہو چکی تھی۔

قاسم صاحب کی شادی بہت جلدی اور چھوٹی عمر میں ہو گئی تھی۔ جب وہ تئیس سال کے تھے۔ سلما بیگم شروع سے مزاج کی روکھی اور لڑاکا تھیں۔ گھلنا ملنا ان کو پسند نہیں تھا۔

شادی کے بعد دوستوں کی دعوت کرنے پر انھوں نے ان سلما بیگم کو آفتاب صاحب سے ملوایا۔ دائود صاحب کو انھوں نے کچھ نہیں کہا۔ مگر آفتاب صاحب کو دیکھ کر برا سا منہ بنایا اور ان کے سلام کا جواب بھی نہ دیا۔

قاسم صاحب ان کی حرکت پر غصہ ضبط کر گئے۔ جب کہ آفتاب صاحب نے بھی ان کو غصہ کرنے سے منع کر دیا۔

بعد میں جب آفتاب صاحب نے ان دونوں کی دعوت کی تب بھی سلما بیگم نے بڑی بدلحاظی سے ان کو منہ پر انکار کر دیا۔

جب جب آفتاب صاحب ان کے گھر جاتے سلما بیگم بلا وجہ واویلا یا لڑنا جھگڑنا شروع کر دیتیں۔

ناجانے کیوں مگر سلما بیگم آفتاب صاحب کی مالی حیثیت کی وجہ سے ان سے خار کھاتی تھیں۔

آفتاب صاحب نے آہستہ آہستہ ان کے گھر جانا ختم کر دیا۔ بچوں کے بعد بھی ان کے مزاج میں کوئی بدلائو نہ آیا۔

سجاد سنجیدہ مزاج تھا۔ اس لیے وہ کم ہی گھومتا پھرتا یا گھر سے باہر جاتا۔

جہان البتہ خوشمزاج تھا۔ قاسم صاحب اس کو محلے میں لے کر جاتے تھے۔ آفتاب صاحب اس کے فیورٹ چاچو تھے۔ اسی وجہ سے اس کو حورام بھی عزیز ہو گئی۔ جہان کا حورام کی طرف بڑھتا رجحان سلمابیگم کو غصہ دلا رہا تھا۔ گھر آکر جہان کی باتوں میں صرف آفتاب صاحب یا حورام کا ذکر ہوتا۔

وقت گزرتا گیا اور حورام تین سال کی ہوگئی۔ جہان کو وہ چھوٹی سی بچی اچھی لگتی تھی جو ہر وقت اپنے پاپا سے ساتھ رہتی تھی۔ سوائے قاسم صاحب کے کسی کے پاس نہیں جاتی تھی۔

جہان کے تو آس پاس بھی نہیں پھٹکتی تھی۔ وہ نیچر وائز شائے تھی اور لڑکوں سے ڈرتی تھی۔ اسی وجہ سے جہان کے ساتھ بھی نہیں کھیلتی تھی۔

آفتاب صاحب اسے روز گھر کے پاس نئے سٹیڈیم لاتے جہاں وہ اپنی سائیکل چلانے کی کوشش کرتی اور جہان اس کے ساتھ ساتھ رہ کر اپنی سائیکل چلاتا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اکیلی ڈرتی ہے۔

اس لیے وہ خاموشی سے اس کے ساتھ ساتھ رہتا۔ آفتاب صاحب کی نظروں سے یہ سب مخفی نہیں تھا۔ ان کو جہان کا یہ انداز اچھا لگتا تھا۔

آہستہ آہستہ حورام کو بھی عادت ہوگئی۔ اب وہ جہان سے باتیں بھی کرتی تھی اور کھیلتی بھی تھی۔ جہان اسے سائیکل چلانا سکھا رہا تھا۔ حورام سے چار پہیوں والی سائیکل بھی نہیں چلتی تھی وجہ اس کا ڈر تھا۔

وہ گرنے سے ڈرتی تھی۔ اسے یہی لگتا تھا کہ وہ سائیکل چلاتے گر جائے گی۔

آخر جہان کی انتھک محنت کے بعد حورام نے ایک مہینہ لگا کر چار پہیوں کی سائیکل چلانا سیکھ ہی لی۔

ان دونوں کی دوستی آہستہ آہستہ بڑھتی جا رہی تھی۔

اس چیز کو دیکھتے ہوئے قاسم صاحب نے دوبارہ رشتے کی بات کی جس پر آفتاب صاحب سوچ میں پڑ گئے۔ انھوں نے گھر والوں سے مشورے کے لیے وقت مانگا۔

جب کہ قاسم صاحب نے یہ بات جب اپنے گھر بتائی تب جہاں ان کی والدہ طاہرہ ہاشمی خوش ہوئیں وہیں سلمابیگم نے اچھا خاصہ جھگڑا کیا۔ مگر طاہرہ بیگم نے ان کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی بلکہ رشتہ پکا کرنے کے بجائے سیدھا نکاح کا مشورہ دیا۔

ان کی یہ بات سلمیٰ بیگم کے غصے کو مزید ہوا دے گئی مگر ساس کے آگے وہ کچھ کہہ نہ سکیں۔

آفتاب صاحب کو بھی زہرہ بیگم نے رشتے کے لیے ہاں کر دی۔ قاسم صاحب کی طرف سے نکاح والا مشورہ بھی آفتاب صاحب کو صحیح لگا جس پر زہرہ بیگم نے بھی اپنی رضامندی دی۔

نائمہ بیگم کے دل میں ڈر تھا۔ بیٹی کی ماں تھیں اور سلمیٰ بیگم کا رویہ بھی جانتی تھیں۔

نکاح کی تاریخ تین مہینے بعد رکھی گئی۔ دو مہینے بعد حورام کی چوتھی سالگرہ تھی۔ اس کے اگلے ماہ نکاح رکھا گیا۔

ان تین ماہ میں سلمیٰ بیگم نے بہت کوشش کی کہ یہ نکاح ہو ہی نہ پائے مگر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے۔ ہوتا وہی ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔

حورام کی چوتھی سالگرہ دھوم دھام سے منائی گئی۔ ویسے بھی آفتاب صاحب نے حورام کی پچھلی تین سالگرہ بھی دھوم دھام سے منائی تھیں۔

آخر کار نکاح کا دن بھی آن پہنچا۔ حورام نے پیارا سا گرے کلر کا لہنگا پہن رکھا تھا۔ ہاتھوں میں مہندی لگائے۔ دونوں بازو میں ڈھیر ساری چوڑیاں پہنی ہوئی تھیں۔ وہ بالکل ایک چھوٹی سی گڑیا لگ رہی تھی۔ آفتاب صاحب بار بار اس کا چہرہ چومتے۔

جہان نے وائٹ کلر کا کرتا شلوار اور اس پر بلیک کلر کا واسکوٹ پہنا ہوا تھا۔ خود وہ بھی ایک چھوٹا سا شہزادہ لگ رہا تھا۔

نکاح کے لیے حورام کو وہی بتایا گیا تھا جو بچوں کو اکثر کہا جاتا ہے۔ اسے بھی یہی کہا گیا کہ اس پیپر پر اپنا نام لکھنے کے بعد اور قبول ہے کہنے کے بعد جہان اس کا بیسٹ فرینڈ بن جائے گا۔

جو صرف اس کے ساتھ کھیلے گا اور باتیں کرے گا۔ ایجاب و قبول کے بعد جہاں ہر طرف مبارکباد کا شور اٹھا وہیں دوسری طرف سلمیٰ بیگم کا موڈ مزید خراب ہو گیا۔

نکاح کے بعد ان کو رویہ مزید خراب ہو گیا۔ اب وہ قاسم صاحب سے پہلے سے زیادہ لڑتی تھیں۔

دوسری طرف جہان اور حورام بہت خوش تھے۔ ان کی دوستی اب ہمیشہ کے لیے جو پکی ہو گئی۔ اب جہان اور حورام ایک دوسرے کے گھر روز جانا شروع ہو گئے۔ شروع میں جب ایک دو بار حورام اس کے گھر گئی۔ تب سلمیٰ بیگم کا رویہ اس سے بہت برا رہا۔ جس پر جہان نے اس کو آنے سے منع کر دیا اور خود اس کے گھر روز جانا شروع ہو گیا۔

حورام کا ایڈمیشن جہان کے سکول میں ہی ہوا۔ جہان اس وقت سیکستھ کلاس میں تھا۔ جب کہ حورام نرسری میں۔

بریک ٹائم جہان حورام کے ساتھ ہی رہتا۔ حورام کی کوئی دوست بھی نہیں بنی۔ اس لیے جہان خود اس کے پاس چلا جاتا۔

حورام کو چھٹی اس سے ایک گھنٹہ پہلے ہوتی تھی۔ وہ پہلے چلی جاتی تھی۔

ایک دن آفتاب صاحب لیٹ ہو گئے جس کی وجہ سے حورام سکول میں بیٹھی رہی۔ جہان جب چھٹی کے وقت باہر آیا تب حورام کو دیکھ کر پریشان ہوا جو ایک بینچ پر اکیلے بیٹھی رو رہی تھی۔ رو رو کر اس کا منہ لال ہو گیا تھا۔

"حور تم ابھی تک نہیں گئی۔"

جہان نے اس کے آنسو صاف کرتے کہا.

"پاپا نی آئے۔ اب میں ان شے بات نی تروں گی۔"

حورام نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

نائمہ بیگم کی طبیعت خراب تھی جس کی وجہ سے آفتاب صاحب ان کو ہاسپٹل لے گئے۔ وہ حورام کو لینے نہیں جا سکے مگر ان کو یہ تسلی تھی کہ جہان سکول ہی ہے۔

جہان حورام کو اپنے ساتھ گھر لے آیا۔ سلمیٰ بیگم خوش قسمتی سے گھر نہیں تھیں۔

طاہرہ بیگم حورام کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور شام تک کے لئے اپنے پاس ہی روک لیا۔ جس کی آفتاب صاحب نے آرام سے اجازت دے دی۔

جبکہ حورام آفتاب صاحب سے ناراض ہو گئی اور طاہرہ بیگم کو ان کی شکایت لگانے لگی۔ طاہرہ بیگم نے اس سے ڈھیر ساری باتیں کی، اسے بہت پیار کیا۔

شام میں آفتاب صاحب اسے لینے آئے۔ مگر وہ منہ پھلائے طاہرہ بیگم کے پاس بیٹھی رہی۔

آفتاب صاحب کے لیے اس کو منانا مشکل نہیں تھا۔

"حورام ناراض ہے۔ اب میں کیا کروں، میں تو اسے آئیسکریم کھلانا چاہتا تھا۔ کوئی بات نہیں اب میں وہ مہرہ کو کھلا دوں گا۔"

آئسکریم کے نام پر حورام کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ چلتی چلتی ان کے پاس گئی اور ان کا گال چوم کر ان کی گود میں بیٹھ گئی۔ یہ اس کا اپنی رضامندی دینے کا طریقہ تھا۔

وہ لوگ بہت خوش تھے۔ مگر شاید ان کی خوشیوں کی مدت بہت کم تھی۔

دو مہینے بعد ہی رات کو طاہرہ بیگم وفات پا گئیں۔ جس کے باعث ان کو واپس گاؤں جانا پڑھا۔ قاسم صاحب اور جہان بہت افسردہ تھے۔ جہان بالکل خاموش ہو گیا تھا۔

جنازہ گاؤں لے جایا گیا۔ آخری رسومات بھی وہیں ہونی تھیں۔

حورام خود بھی جہان کو اداس دیکھ کر اداس ہو گئی۔

سلما بیگم اس نازک گھڑی میں بھی بعض نہ آئیں۔ صائمہ بیگم کے ساتھ مل کر انھوں نے جان کر نائمہ بیگم کو باتیں سنانا شروع کر دیں۔ جن میں سب سے پہلا طنز حیثیت کا تھا۔

"میں سوچتی ہوں لوگ کیسے اپنی بیٹیوں کو اپنی اوقات سے بڑے لوگوں میں دے دیتے ہیں، بھئ انسان کو اپنی اوقت دیکھ کر رشتہ کرنا چاہیے۔"

وہ مسلسل اپنی زبان کے تیر چلائے جا رہی تھیں اور نائمہ بیگم برداشت کیے جا رہی تھیں۔

جب ان کو ضبط جواب دے گیا۔ تب وہ بغیر کچھ بولے اٹھ گئیں۔ حورام کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ طاہرہ بیگم کے کمرے میں آئیں جہاں توقع کے مطابق دونوں بیٹھے تھے۔

نائمہ بیگم کوئی بھی بات کیے بغیر حورام کو لے گئیں۔ جب کہ جہان ان کا انداز دیکھ کر حیران ہو گیا کیونکہ وہ بہت غصے میں تھیں۔

اس کے بعد نائمہ بیگم دوبارہ نہیں گئیں گاؤں۔ آفتاب صاحب کے پوچھنے پر انھوں نے ان کو ساری بات بتا دی۔

حالات نازک ہونے کے باعث آفتاب صاحب نے قاسم صاحب سے دوبارہ کوئی بات نہیں کی۔

آہستہ آہستہ ان کا رابطہ آپس میں ختم ہو گیا۔ سلما بیگم نے بیماری کا ناٹک کیا جس میں وہ کامیاب ہو گئیں۔ قاسم صاحب کا سارا دیھان ان کی طرف چلا گیا۔

کچھ عرصے بعد سلما بیگم نے جہان کو ہاسٹل بھجوا دیا تاکہ اس کا دیھان بٹ جائے۔ ان کو یہی لگا کہ وہ بچہ ہے بھول جائے گا۔ مگر جہان نہیں بھولا۔ اس کو سب یاد رہا۔ اس نے خود کو یہ بات بھلانے ہی نہ دی۔

اس کو صرف یہ بتایا گیا تھا کہ نکاح کا مطلب ہے کہ وہ اور حورام اب پکے دوست بن گئے ہیں۔ اسے ہمیشہ حورام کا خیال رکھنا ہے اور اس کی حفاظت کرنی ہے۔

جب آہستہ آہستہ اس نے شعور کی منزلیں پار کیں تب اسے نکاح کے حقیقی معنی سمجھ آگئے۔ اسے احساس ہو گیا کہ اسے ایک بہت بڑی زمہ داری دے دی گئی ہے۔

اس کے بعد سے اس نے حورام کے بارے میں ہر خبر رکھنا شروع کر دی۔ جس میں اس کا سب سے زیادہ ساتھ حمدان نے دیا۔ ان دونوں کی ملاقات چھ سال بعد اتفاقی طور پر ہوئی۔ حمدان جو پہلے سے ہی سلما بیگم کے ارادے جانتا تھا، اس نے سیدھا جہان سے پوچھا کہ وہ اس رشتے کے لیے کتنا سنجیدہ ہے۔ جس پر جہان نے اس کو تسلی دی کہ وہ یہ رشتہ رکھنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد سے حمدان اس کو حورام کے متعلق ہر بات سے آگاہ کرتا۔ اگر وہ کہیں باہر جاتی تو نامحسوس انداز میں وہ بھی وہاں پہنچ جاتا مقصد صرف اس کی حفاظت تھا۔

وہ کسی بھی پل حورام سے بے خبر نہیں رہا۔ ہر پل اس کے ساتھ رہا جس کا علم خود حورام کو بھی نہیں تھا۔

قاسم صاحب نے اسے کچھ نہیں کہا۔ نہ ہی کچھ یاد کروایا۔ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ ان کا بیٹا کتنا زمہ دار ہے۔

چھ سات سال تک ان کے گھر بھی کوئی بات نہیں ہوئی اس بارے میں۔ ایک دن خود ہی جہان نے ان کو اپنی حمدان کی ملاقات اور آفتاب صاحب وغیرہ کے خدشات بتائے۔ وہ ساری باتیں بھی جو سلما بیگم اب تک کرتی آئیں ہیں۔

قاسم صاحب کو شرمندگی ہوئی۔ ان کو آفتاب صاحب کا گریز بھی سمجھ آگیا۔

اسی دن ان کی باتیں سلما بیگم نے بھی سن لیں۔ کافی عرصے تک کا گھر کا پرسکون ماحول پھر خراب ہو گیا۔ اس دن پہلی بار قاسم صاحب کی جگہ سلما بیگم اور جہان کی بحث ہوئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا۔

اس نے شہر میں فلیٹ لے لیا۔ اس کا فلیٹ حورام کے گھر سے بیس منٹ کے فاصلے پر تھا۔ یہ بھی اتفاق تھا۔

ایک سال تک وہ اپنے گھر نہیں گیا۔ قاسم صاحب خود اس سے ملنے آتے۔ یا وہ دونوں فون پر بات کر لیتے۔

قاسم صاحب کے بہت منانے پر وہ گھر جانے کو راضی ہو گیا۔ مگر سلما بیگم اپنی حرکتوں سے بعض نہ آئیں۔

جہان کی کوشش ہوتی کہ سلما بیگم سے بحس نہ کرے مگر وہ خود ہر بار اس کو بلیک میل کرتی۔ جس کی وجہ سے اس نے گھر جانا کم کر دیا۔

حورام کو نکاح بھول چکا تھا۔ اس کو آہستہ آہستہ وہ سب خواب لگنے لگا۔ جب کہ قاسم صاحب کے جانے کے بعد اور دوبارہ رابطہ نہ کرنے کے باعث آفتاب صاحب نا امید ہو گئے۔ رہی سہی کثر سلما بیگم کی باتوں نے پوری کردی۔ جو اکثر جاننے والوں میں یہی کہتیں کہ وہ یہ نکاح جلد ختم کروا دیں گی۔ ان کی نظر میں اس نکاح کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

یہ باتیں نور بھٹی نے ہی نائمہ بیگم کو بتائیں تھیں۔ نور بیگم کی دوست سلما بیگم کی رشتے دار تھی۔ جس کے باعث ان کو یہ باتیں معلوم ہو جاتیں۔ ان کی رہی سہی امید بھی ٹوٹ جاتی۔

گھر پر اس موضوع پر بات کرنا جیسے بالکل ختم ہو گیا تھا۔ آفتاب صاحب نے سب کچھ وقت اور حالات پر چھوڑ دیا تھا۔

اچانک دس سال بعد ایک دن خود جہان نے ان کو کال کی۔ یہ تب کی بات تھی جب تیمور خان نے اس کو حورام کے نام پر دھمکی دی تھی۔

تب اس نے آفتاب صاحب کو سارے معاملات سے آگاہ کر دیا۔ انھوں نے حورام کی حفاظت کی خاطر ہر کوشش کی۔ مگر کافی دفعہ چیزیں انسان کے بس سے باہر ہو جاتی ہیں۔

پریکٹیکل والے دن بھی وہ اس لیے باہر ہی رہے تاکہ کوئی مسئلہ نہ ہو۔ مگر حورام کو کالج کے اندر سے ہی آرام سے غائب کر دیا گیا۔

کافی دیر تک جب حورام باہر نہ آئی تب آفتاب صاحب کو تشوسش ہوئی۔ پورا کالج چھان لیا گیا مگر نہ حورام کو ملنا تھا نہ وہ ملی۔

آفتاب صاحب سمجھ گئے کہ ان کی بیٹی غلط ہاتھوں میں چڑھ گئی۔ جہان سے ان کا رابطہ نہیں ہو پایا۔ حمدان نے اپنے سورسز استعمال کرتے ہوئے حورام کا پتہ کرنے کی پوری کوشش کی مگر وہ ناکام رہا۔

خدا کی کرنی ایسی ہوئی کہ جہان جب ریڈ کے لیے جنگل میں پہنچا تب اسے ایک طرف ویرانے میں حورام بے حوش پڑی نظر آئی۔ سردیوں کا موسم تھا۔ تیز بارش میں وہ پوری طرح بھیگی پڑی تھی۔ جہان اس کے پاس گیا۔ اس کا ہاتھ پکڑا جو بالکل برف پڑا تھا۔

اس کی گاڑی کافی دور تھی اور حورام کی حالت کافی خراب تھی۔ اس لیے وہ حورام کو وہیں بنے ایک چھوٹے سے ہٹ میں لے گیا۔

حورام کا وجود برف کی مانند ٹھنڈا پڑا تھا۔ جہان کو اس کی خاطر ایک مشکل فیصلہ لینا پڑا۔

کچھ بہت سالوں کی تڑپ تھی کہ وہ سب کچھ بھول گیا تھا۔ ہر انجام سے بے خبر ہو گیا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ حورام کی بہتری کے لیے کیا گیا فیصلہ درحقیقت اس کے لیے مشکلات لانے والا ہے۔

بیچ میں حورام نے آنکھیں کھولیں تب اس نے حورام کے کان میں سرگوشی کی۔ جس کے بعد وہ دوبارہ بے حوش ہو گئی۔

تین گھنٹے کے بعد حورام کی حالت میں سدھار آیا مگر بارش نہ رکی۔ رات بارش رکنے کے بعد جا کر جہان نے اسے گھر پہنچا دیا۔ جہاں پہلے سے ہی ایک قیامت آئی ہوئی تھی۔

اس کی جلد بازی کا نقصان بھی سراسر حورام کو ہی ہوا۔ ایک رات گھر سے باہر رہی لڑکی کے بارے میں لوگ غلط ہی سمجھتے ہیں۔ چاہ کر بھی آفتاب صاحب کسی کو یہ نہیں بتا سکے کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ تھی۔ ان دونوں کے نکاح کے بارے میں گھر کے لوگوں کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

تب ان کا قاسم صاحب سے دس سال بعد رابطہ ہوا۔ انھوں نے آفتاب صاحب کو تسلی دی۔ قاسم صاحب نے اپنا وعدہ پورا کیا اور حورام کو عزت سے رخصت کروا کر لے گئے۔ سالوں کی رنجشیں ختم ہو گئی۔

آفتاب صاحب کی ناراضگی بھی ختم ہو گئی کیونکہ نکاح والے روز قاسم صاحب نے حقیقت سارے خاندان کے سامنے بتا دی۔

جو لوگ حورام کو بدکردار کہہ رہے تھے ان کی زبانیں بند ہو گئیں۔ جب یہ حقیقت کھلی اس وقت حورام وہاں نہیں تھی۔ ساری باتیں نکاح سے پہلے ہوئیں تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نائمہ بیگم کب کی جا چکی تھی جب کہ وہ بت بنی بیٹھی تھی۔ کتنی باتوں سے وہ لاعلم تھی۔

اب اس کو افسوس ہونے لگا تھا۔ اپنی بدتمیزی اور زبان درازی کا سوچ کر۔

"کیا بنے گا تمہارا حورام۔ پہلی دفعہ میں ہی اتنی بدتمیزی ۔۔۔۔۔۔۔ اللہ اللہ کیا کروں میں اب؟ ۔۔۔۔۔ کبھی تو بولنے سے پہلے سوچ لیا کرو حورام ۔۔۔۔۔۔ کیا سوچتے ہونگے میرے بارے میں اف۔۔۔۔"

تھک کر اس نے اپنا سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ اسے ایک ہی بات کی فکر لگی ہوئی تھی کہ جہان اس کے بارے میں کیا سوچتا ہو گا۔

ابھی وہ انہی سوچوں میں گم تھی جب آفتاب صاحب اس کے ساتھ آکر بیٹھ گئے۔

کسی کی موجودگی محسوس کرکے حورام نے سر اٹھایا۔

آفتاب صاحب کو دیکھ کر اس نے مزید روتی شکل بنالی۔

"کیا ہوگیا میرے بچے کو۔"

آفتاب صاحب کو اس پر ترس آرہا تھا۔

"آپ لوگوں نے میرے ساتھ بالکل اچھا نہیں کیا۔۔۔۔۔ اتنا بڑا سچ مجھ سے چھپایا۔۔۔۔۔۔ بہت برا کیا آپ لوگوں نے۔"

حورام نے ناراضی سے کہا۔

"اس وقت حالات ایسے نہیں تھے۔۔۔۔۔ قاسم نے بھی دوبارہ رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ہم بیٹی والے تھے ہمارے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ چاہ کر بھی ہم ان سے سوال نہیں کر سکتے تھے۔ ان کی خاموشی سے ہمیں یہی لگا کہ وہ رشتہ نہیں رکھنا چاہتے۔۔۔۔۔ پھر اچانک جو کچھ بھی ہو، جو بھی حالات پیدا ہوئے۔ ان سے تم بھی واقف ہو۔ ان حالات میں کیسے ہم تمہیں بتاتے۔ پھر جہان بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ خود تمہیں بتائے۔ مگر آج مجبوراً ہمیں تمہیں بتانا پڑا۔"

آفتاب صاحب نے وضاحت تھی جو حورام کو بھی صحیح لگی۔ واقعی اگر اس کو حقیقت کا معلوم نہ ہوتا تو وہ اپنی بدگمانی میں اپنا گھر خراب کرلیتی۔

آفتاب صاحب اس کو سوچ میں گم دیکھ کر، اس کے سر پر ہاتھ رکھتے چلے گئے۔

پیچھے حورام گہری سوچ میں چلی گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سو کر اٹھنے کے بعد وہ ذہنی طور پر کافی حد تک پرسکون ہوگیا تھا۔ شام کے چار بج رہے تھے۔ وہ گھر جانا چاہتا تھا۔

اتنے مہینوں بعد وہ گھر آیا مگر گھر والوں سے بات کرنے کا اسے موقع نہیں ملا۔ وہ اٹھ کر فریش ہوا۔ فلحال اس کا کچھ بھی کھانے کا دل نہیں کر رہا تھا۔ مگر صبح سے بھی اس نے کچھ نہیں کھایا تھا۔

اب آگے گاؤں جاتے وقت بھی راستہ لمبا تھا۔ اس لیے اس نے دو سیب کھا لیے۔ کچھ نہ ہونے سے بہتر کچھ ہونا تھا۔

پونے پانچ وہ گھر سے نکلا۔ سات بجے وہ گاؤں پہنچا۔ سب گھر پر ہی تھے۔ سلما بیگم اسے اتنے دن بعد دیکھ کر خوش ہو گئیں۔ انھوں نے اس کے لیے اس کا پسندیدہ کھانا بنوایا۔

سجاد اور عائزہ بھی گھر ہی تھے۔ اس طرح کھانے کے ساتھ باتوں میں ان کا اچھا وقت گزر گیا۔

باتوں کی محفل رات ساڑھے بارہ تک برخاست ہوئی۔

قاسم صاحب اور جہان کے علاوہ سب سونے چلے گئے تھے۔

"کچھ دنوں کا کہہ کر تم اتنا عرصہ کہاں غائب رہے۔ حورام کو تمہارا کتنا انتظار رہا۔ تم میں کوئی احساس ذمہداری ہے۔ اتنا عرصہ وہ بچی اتنی نازک حالت میں اکیلی رہی۔ اکیلے سب سمبھالتی رہی۔"

قاسم صاحب اس کو باتیں سنانا شروع ہو چکے تھے۔

"شوق سے نہیں گیا تھا۔ آپ جانتے ہیں کہ جانا ضروری تھا۔ کچھ کاموں کو پایہ تکمیل تک پہنچانا ضروری تھا۔ آپ کو کیا لگتا ہے میں وہاں کیا بے فکر بیٹھا تھا۔ سارا وقت حورام کی فکر رہی۔ آپ بھی جانتے ہیں کہ مجبوری کے باعث میں اس سے رابطہ نہیں کر سکا۔ مگر ہیں تو آپ دونوں چچا بھتیجی ایک جیسے ہی نا۔ اس نے بھی نہ آئو دیکھا نہ تائو دیکھا مجھے باتیں سنانا شروع کر دیں اور یہی حال آپ کا بھی ہے۔ مطلب حد ہے۔ یہ نہیں دیکھا کہ اگلا بندہ کس مشکل میں ہے، بس طعنے دینا شروع کر دیے۔"

جہان بھی پھٹ پڑا۔ آخر کیوں نہ تپتا کل سے حورام نے اس کو طعنے اور طنز مار مار کر پاگل کیا ہوا تھا اور اب قاسم صاحب بھی وہی کر رہے تھے۔

"اچھا اچھا زیادہ دماغ مت کھائو۔ یہ بتائو جو کام ختم کرنے گئے تھے وہ ہو گیا۔"

قاسم صاحب مدعے کی بات پر آئے۔

"آپ کو کیا لگتا ہے۔"

اس نے ان کا جواب جاننا چاہا۔

"مجھے اپنے بیٹے کی صلاحیتوں پر پورا یقین ہے۔ یقینا تم پورا انتظام کر کے آئے ہو گے۔"

ان کی بات پر جہان مسکرایا اور اس کی یہ مسکراہٹ ہی جواب تھا۔ قاسم صاحب پر سکون ہو چکے تھے۔ جب کہ وہ کچھ سوچ کر مسکرایا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تاریخ پندرہ جولائی تھی جب وہ عمار کے ساتھ چیزیوز (cheezious) گیا تھا تب بات کرتے کرتے اس کی نظر دروازے کی طرف اٹھی اور پلٹنا بھول گئی۔

وہ بالکل اس کے سامنے کھڑی تھی، دو لڑکیاں اس کے ساتھ تھیں جنہیں وہ خفگی سے گھور رہی تھی۔ اس کے ساتھ موجود خاتون کو وہ پہچانتا تھا، وہ بھی مسکرا رہی تھیں۔ مگر اس لمحے، وہ لڑکی، غصے سے بھرپور اور لنگڑاتے ہوئے قدموں سے تیزی سے اس کے پاس سے گزر گئی، اور یہاں جہان ہاشمی کو محسوس ہوا جیسے اس کا دل یکدم خالی ہو گیا ہو۔

اٹھارہ سال گزر چکے تھے، اور آج وہ اچانک اس کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔ وہی، جس کے لیے جہان نے اپنے دل میں وفا کے چراغ جلائے رکھے تھے۔ وہ اس کے سامنے تھی، مگر آج وہ خود اس کے لیے ایک اجنبی تھا۔

جہان ہاشمی نے اٹھارہ سال اس کی یاد میں گزارے تھے، کسی اور کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس امید پر وفا کی راہ پر چلتا رہا کہ اس کا دل برسوں پہلے اسی کے لیے محفوظ ہو چکا ہے۔ مگر آج، جب وہ سامنے آئی، تو غصے کے ساتھ ساتھ ایک گہرا دکھ بھی دل میں اتر آیا۔ غصہ اس بات کا کہ وہ اسے پہچان نہ سکی، اور دکھ اس حقیقت کا کہ وہ خود اس کے لیے ایک انجان شخص بن چکا تھا۔

"اوئے انسان بن۔ ابھی مجھے اتنی تانے مارہا تھا۔ اب خود گھور گھور کر دیکھ رہا ہے۔

اس کی محویت کو عمار نے توڑا۔

"بکو مت۔ اپنی بیوی کو دیکھ رہا ہوں۔"

عمار مڑ کر پیچھے دیکھنے لگا۔

"کہاں ؟"

"جس کی چال میں لنگراہٹ ہے۔"

اب کے عمار پھر مڑا اور جب سمجھ آئی تب آنکھیں پھٹ کر باہر آنے کو ہو گئیں۔

"تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ جانتا ہے وہ کون ہے۔ میڈی کی بہن افتاب انکل کی بیٹی۔ اگر یہ مزاق ہے تو بہت ہی گھٹیا مزاق ہے۔"

عمار کو لگا شاید جہان جھوٹ بول رہا ہے۔

"تجھے کیا لگتا ہے میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ آفتاب شاہ کی بیٹی حناع حورام شاہ میری بیوی ہے۔ اٹھارہ سال پہلے ہمارا نکاح ہوا تھا۔"

اب ٹیبل پر صرف خاموشی تھی۔ عمار کے پاس کہنے کو کچھ تھا نہیں اور جہان کی نظر آخر میں موجود اس ٹیبل پر تھی جہاں وہ بیٹھی تھی۔

آج میں مام سے بہت لڑا۔ صرف ان کی وجہ سے حورام کو ہان بھول گیا۔ وہ اس کو نہیں پہچانی۔ میں یہاں اس کے لیے دنیا سے لڑ رہا ہون اور وہ ہی مجھے نہیں پہچانتی۔ غصے میں آفتاب انکل کو فون کیا۔ نیت ان سے لڑنے کی تھی مگر ان کی کہی بات نے مجھے ہی خاموش کروا دیا۔

Hooria AHMAD
WRITING STORIES • SHARING THOUGHTS • INSPIRING MINDS

"آپ لوگوں نے اچھا نہیں کیا میرے ساتھ ۔ میری بیوی مجھے ہی نہیں پہچانی۔ نظر اٹھا کر دیکھنا گوارا نہیں کیا اس نے۔"

اس کے شکوے پر آفتاب صاحب مسکرائے اور اسے مزید چڑایا۔

"میری بیٹی غیر مردوں کو نہیں دیکھتی۔"

توقع کے عین مطابق وہ چڑ بھی گیا۔

"اچھی بات ہے دیکھنا بھی نہیں چاہیے مگر میں غیر نہیں ہوں۔"

"نہیں ہو تو جلد ہو جاؤ گے اور جو یہ تم مجھ سے شکوہ کر رہے ہو نہ تو میں بتاتا چلوں کہ یہ سب آپ کے طرف کے لوگوں کا ہی کیا دھرا ہے برخوردار ۔ میں حقیقتا اپنی بیتی کو تمہارے سے منسوب کروا کر پچھتا رہا ہوں ۔ مگر کوئی بات نہیں جلد ہی میں اپنی بیٹی کو اس نام نہاد رشتے سے آزاد کروا دوں گا۔"

دیکھتے ہی دیکھتے معاملہ گرم ہونے لگا۔

"معزرت سسر جی ۔ مگر یہ کوئی منگنی نہیں تھی باقائدہ نکاح ہوا تھا۔ اور میرے جیتے جی تو آپ یہ بات بھول ہی جائیں کہ آپ کی بیٹی کو میرے سے آزادی ملے گی۔ مر جاؤں گا مگر اسے نہیں چھوڑوں گا۔"

اپنی طرف سے اس نے انھیں دھمکی لگا کر فون بند کر دیا۔ اس کی دھمکی سن کر آفتاب صاحب نے قاسم صاحب کو کال ملا دی۔

"اپنے بیٹے کو سنبھال لو قاسم۔ ورنہ اگر میں نے کوئی جوابی کاروئی کی تو پھر مجھ سے شکوہ نہ کرنا۔ گدھا مجھے دھمکی لگا رہا تھا۔ میری بیٹی کا اٹھا کر لے جائے گا۔"

آفتاب صاحب مسلسل ان پر برس رہے تھے اور وپ اپنے سامنے بیٹھے اس ڈھیٹ انسان کو گھور رہے تھے۔

"تم پاگل ہو گئے ہو۔ کیا کہا ہے تم نے افتاب کو۔ اتنا غصے میں کیوں تھا وہ۔"

کال ختم ہوتے ہی وہ اس پر غصے سے پرسنا شروع ہو گئے

"میں نے کچھ نہیں کہا ان کی بات کا جواب ان کے انداز میں دیا ہے۔ مزاق ہی سمجھ لیا سب نے مجھے۔ جس کا دل کرتا ہے میرا گھر خراب کرنے لگ جاتا ہے۔"

"وہ گھر جو ابھی تک بسا بھی نہیں۔"

قاسم صاحب نے طنز کیا جو اسے بری طرح چبھا۔

"نہیں بسا مگر عنقریب بس جائے گا۔ میں بساؤں گا۔ حورام جہان ہاشمی کے نکاح میں تھی، ہے اور رہے گی۔ میرا نام کبھی اس کے نام سے الگ نہیں ہو سکتا۔ وہ میری منکوحہ ہے اور جلد ہی اسے بیوی بنی بنا لوں گا۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حورام کے غائب ہونے پر بھی آفتاب صاحب کو یہی لگا کہ جہان نے حورام کو اغوا کیا ہے۔ انھوں نے قاسم صاحب کو فون کر کے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

"تم اتنا گر گئے مجھے اندازہ نہیں تھا۔"

کال اٹھاتے ہی قاسم صاحب شروع ہو گئے تھے۔ وہ جو پہلے ہی تپا بیٹھا تھا مزید تپ گیا۔

"آپ نے کیا مجھے اتنا کم ظرف اور بے غیرت سمجھا ہے۔ اپنی ہی عزت کو بے عزت کروں اتنا گھٹیا نہیں ہوں میں۔

جہان ہاشمی مر سکتا ہے مگر حورام شاہ کی عزت پر حرف نہیں آنے دے سکتا۔ اگر مجھے اسے بدنام ہی کرنا ہوتا تو صحیح سلامت گھر نہ پہنچاتا وہی سے اسے لے کر غائب ہو جاتا۔"

اس کے بعد کیا ہوا۔ سارے معاملات بڑون کے درمیان طے پائے گئے تھے۔ اسے قاسم صاحب نے کسی بھی بات میں دخل دینے سے سختی سے منع کیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شادی کی رات اس کو داؤد صاحب کی کال یہی بتانے کے لیے آئی تھی کہ تھانے میں آگ لگنے کے باعث فیروز بھاگ گیا۔ اس سب میں سب سے بڑا ہاتھ ڈی آئی جی پرویز حسن کا ہاتھ تھا۔

تیمور خان اور وہ بہترین دوست تھے یا یہ کہنا بہتر ہو گا۔ ایک دوسرے کے ہر برائی کے کام میں ساتھی تھے۔ تیمور خان کے ہر کام میں وہ اس کا ساتھ دیتے تھے جس کی لیے وہ ان کو بہت پیسہ دیتا تھا۔

فیروز کا بھاگنا جہان کو تیش دلا گیا۔ اب فیروز اور تیمور کی بربادی اس کی زندگی کا بڑا مقصد بن چکی تھی۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ اب تیمور خان کو پرویز حسن ہی جیل میں ڈالے گا۔ جس کے لیے اس کو انہی کے انداز میں کھیلنا پڑے گا۔

وہ کچھ نہیں کرے گا۔ کریں گے وہی دونوں مگر یہ جانے بغیر کہ جو بھی ہو گا وہ انجانے میں نہیں بلکہ پر پلینڈ ہو گا۔

تیمور نے اس کی کمزوری پر وار کیا جس پر پرویز نے اس کا ساتھ دیا۔ وہ بھی ان کی کمزوری پر وار کرے گا۔

منھا کے بارے میں جانکاری لیتے وقت اسے یہ بھی معلوم پڑا تھا کہ پرویز کی بیٹی سیرت بھی منھا کی پکی دوست ہے بالکل اسی طرح جیسے ان کے باپ دوست ہیں۔ دونوں ایک ہی یونیورسٹی میں پڑھتی تھیں۔ شہر کی سب سے اچھی اور مہنگی یونیورسٹی۔ جتنی بڑی اور مشہور یونیورسٹی اس میں اتنے ہی جرائم۔

اس یونیورسٹی میں ڈرگز سپلائی ایک معمولی بات تھی۔ بہت سے سٹوڈنٹس ٹینشن کم کرنے کے لیے ڈرگز کا استعمال کرتے تھے۔ منھا اور سیرت کو اس بارے میں پتہ تھا، وہ دونوں اس ایریا میں نہیں جاتی تھیں جہاں ڈرگز سپلائی ہوتی تھی۔

ایک اور گندا کھیل بھی کھیلا جا رہا تھا اس یونیورسٹی میں جس سے وہ دونوں لڑکیاں انجان تھیں۔

اور تھا عورت زات سے کھلنے کا کھیل۔ کچھ لڑکے لڑکیوں کو اپنےپیار کے جال میں پھنسا کر اور استعمال کرنے کے بعد ان کو آگے بیچ دیتے تھے۔ وہ لڑکے تیمور خان کے خاص بندے تھے۔ جو اس کو لڑکیاں سپلائی کرتے تھے۔

مگر ان میں سے کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ منھا تیمور خان کی اور سیرت پرویز حسن کی۔

وہ دونوں رہتی بھی ہاسٹل میں تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تیمور خان کو لڑکیاں چاہیے تھیں۔ جس کے لیے اس کے یونیورسٹی میں موجود لڑکوں نے ایک پلین بنایا۔

انھی لڑکوں کے گروہ نے کچھ پروفیسرز کے ساتھ مل کر لڑکیوں کا ایک ٹرپ پلین کیا۔

پلین کچھ یہ تھا کہ ان لوگوں نے مری کا پلین بنایا تھا۔ جہاں ان کا ایک رات کا سٹے تھا۔

ان لوگوں نے بون فائر پلین کیا تھا جس میں لڑکیوں کے کھانے میں نیند کی دوائی ملا کر ان کے سونے کے بعد ان کو ہوٹل سے اٹھوا لیا جائے گا۔

جہان نے اپنے ساتھ کام کرنے والی آفیسر سمرا کو وہاں بھیجا۔ جو انھی لڑکیوں میں ہوں گی۔ جس سے جہان کو لوکیشن کا بھی معلوم پڑ جائے گا۔

تیمور خان کے پلین کے بارے میں بھی جہان کو اس کے اندر کے بندے سے معلوم ہوا۔ جس کو اس نے تیمور خان کی جگہ پر بھیجا تھا۔

پھر آخر کار وہ دن بھی آن پہنچا جو ویسے تو تیمور خان کے لیے اچھا تھا مگر درحقیقت وہ اس کے لیے تباہی تھا۔ پلین کے مطابق لڑکیوں کو ہوٹل پہنچا کر ان کو نیند کی دوائی دے دی گئی۔ بدقسمتی کہہ لی جائے تیمور اور پرویز کی یا خوشقسمتی کہہ لی جائے جہان کی کہ منھا اور سیرت بھی انھی لڑکیوں میں موجود تھیں۔

رات کے درمیانے پہر تیمور خان کے آدمی آئے اور لڑکیوں کو اٹھا کر لے گئے۔ سمرا نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ اس نے صرف بے ہوشی کا ناٹک کیا تاکہ تیمور خان کے لوگوں کو گمراہ کر سکے۔ اس کے پاس ایک لاکٹ تھا جس میں ٹریسر لگا ہوا تھا۔

لڑکیوں کو تیمور خان کی کوٹھی لے جا کر تہ خانے میں بند کر دیا۔ دیکھنے میں یہ کوٹھی جتنی حسین تھی اس کی حقیقت اتنی ہی بھیانک تھی۔

ناجانے کتنی عصمتوں کا سودا اس کوٹھی میں ہوا تھا۔ درحقیقت یہ کوٹھی تیمور خان کی عیاشی کا اڈا تھی۔

یہ کوٹھی چار منزلہ تھی۔ ہر منزل پر کم سے کم 8 کمرے تھے۔ سب سے آخری پورشن میں ایک بڑی سی بیسمنٹ تھی جہاں پر بظاہر سارا پرانا سامان پڑا تھا مگر اس کے زیر زمین ایک تہ خانہ تھا۔ جس کا کسی کو علم نہیں تھا یہاں تک کہ جہان کو بھی نہیں۔

اس کو خود یہ بات اب تک سمجھ نہیں آئی تھی کہ تیمور خان لڑکیوں کو رکھتا کہاں ہے۔

لڑکیوں کو تہ خانے میں پہنچانے کے بعد وہ لوگ چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی سمرا اٹھ گئی۔

اب وہ اس بڑے سے کمرے کو دیکھ کر سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ یہ کمرہ کہاں ہے۔

کافی دماغ لڑانے کے بعد اسے یہی سمجھ آئی کہ یہ جو بھی جگہ ہے یہ زیر زمین ہے۔ سمرا نے اپنی گھڑی کے میں موجود ڈیوائس کے ذریعے جہان کو ساری بات بتائی جو اس کو سمجھ آئی تھی۔

جہان کو لوکیشن کا علم ہو گیا تھا اور سمجھ بھی آگئی تھی۔ اس نے ریڈ کی تیاری کی۔

تیمور خان اپنی جیت کے نشے میں گم تھا جب اسے ریڈ کا معلوم ہوا۔ ملازم نے اس کو ریڈ کا بتایا اور خود بھاگ گیا مگر اس سے پہلے تیمور خان بھاگتا وہ پولیس کے ہاتھ چڑھ گیا تھا۔

تہ خانہ ڈھونڈتے ہوئے پولیس کو تھوڑی مشکل ہوئی مگر اللہ نے ان کی مدد کی اور ان لوگوں نے لڑکیوں کو آزاد کروا لیا۔

لڑکیوں کو باہر لایا گیا۔ منہا اور سیرت بہت خوفزدہ تھیں۔ زیادہ بری حالت منہا کی تھی۔

کچھ دیر بعد جو اس نے دیکھا اس کے بعد اس کا چہرہ بالکل سفید پڑ گیا۔

جہان تیمور خان کو ہتھکڑی لگائے باہر لا رہا تھا۔ تیمور خان نے دوسری طرف دیکھا تب وہاں منہا کو دیکھ اسے ایسا لگا جیسے کسی نے اس کے پیروں تلے زمین کھینچ لی ہو۔ اس کو نہیں معلوم تھا کہ اغوا ہوئی لڑکیوں میں اس کی بیٹی بھی موجود تھی۔

جب کہ دوسری طرف منہا فق چہرے کے ساتھ اپنے باپ کو پولیس کی حراست میں دیکھ رہی تھی۔ کسی بھی لڑکی کے لیے اس کا باپ آئیڈیل ہوتا ہے۔ منہا کے لیے بھی تھا۔ مگر اپنے باپ کا یہ روپ دیکھ کر وہ شرمندگی کی گہرائیوں میں چلی گئی۔ اس کے دل نے دعا مانگی کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ حقیقت بہت تلخ تھی جو وہ قبول نہیں کر پا رہی تھی۔

تیمور خان اپنی جگہ جیسے جم گیا تھا۔ اس کی بیٹی اس کی ڈارک سائیڈ دیکھ چکی ہے۔ وہ چاہ کر بھی اس سے نظریں نہی ملا پا رہا تھا۔

یہ تو صرف تیمور خان کی سزا تھی۔ ابھی پرویز اور فیروز باقی تھے۔ ابھی ان کو بھی ان کے کیے کی سزا ملنا باقی تھی۔

فیروز ابھی دوبئی میں اپنی عیاشی میں مصروف تھا۔ اس کا نمبر بعد میں آنا تھا اس سے پہلے پرویز کا نمبر آنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اغوا ہوئی لڑکیوں کو اور تیمور کو جیل پہنچا دیا گیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں گھبرایا ہوا پرویز پہنچا۔ وہ جو جہان سے تیمور کو حراست میں لینے پر بات کرنے جا رہا تھا۔ سیرت کو وہاں دیکھ کر ٹھٹکا۔

پھر کانسٹیبل کے زریعے جو اسے پتہ چلا۔ اس بات سے اس کا غصہ ساتویں آسمان پر پہنچ گیا۔ وہ جو جہان کی خبر لینے جا رہا تھا۔

وہ تیمور والے لاک اپ کی طرف گیا۔ اندر داخل ہوتے ہی اس نے نہ آئو دیکھا نہ تائو، تیمور کو مارنا شروع کر دیا۔

"گھٹیا، ذلیل انسان تیری ہمت کیسے ہوئی میری بیٹی کو اغوا کرنے کی۔ میں تجھے جان سے مار دوں گا۔"

وہ تیمور کو سنبھلنے کا موقع دیے بغیر مارے جا رہا تھا۔

اس وقت وہ صرف ایک باپ تھا جس کی بیٹی کو بکنے سے بچایا گیا تھا۔

اپنی بیٹی کی بار میں پرویز تڑپ گیا جب کہ دوسرے کی بیٹیوں کی عزتیں نیلام کرنے میں تیمور کا ساتھ دیتے ہوئے اس کا دل نہیں کانپا۔ وہ مکافات عمل سے نہیں ڈرا۔

اب کی بار اس نے جہان کو جا کر تیمور کے خلاف سخت ایکشن لینے کا کہا۔

یہی تو وہ چاہتا تھا ان دو شیطانوں کو لڑوانا جس میں وہ کامیاب ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جس دن اس نے گھر واپس جانا تھا تب وہ پہلے اپنے سسرال آیا۔ جہاں سامنے ہی اس کا سامنا اپنے دو نمونے دوستوں سے ہوا۔ جنہوں نے اس کی شکل دیکھ کر چٹکلے چھوڑنا شروع کر دیے تھے۔

"سوچو یار، جب اے ایس پی جہان ہاشمی اپنی بیگم کے سامنے آئیں گے تو وہ ان کا استقبال کیسے کرے گی؟" عمار نے مزے لیتے کہا۔

"یار، میڈی تیری تو بہن ہے، تو ہی بتا!"

"کچھ خاص نہیں کرے گی... ہاتھ کا استعمال تو میری بہن کرتی نہیں، مگر زبان کا استعمال ایسا شاندار ہے کہ اس کا دل چاہے گا دیوار میں سر مار لوں۔" حمدان نے کندھے اچکاتے ہوئے جواب دیا،

"میری بیوی ایسی خوفناک بھی نہیں ہے۔ بہت معصوم ہے!"

"بیٹا، معصوم وہ صرف بچپن میں تھی۔ مگر جو تو پچھلے ایک سال سے غائب رہا ہے، اس کی وجہ سے وہ اب زخمی شیرنی بنی ہوئی ہے!"

"تو کیا کروں؟ بیوی کی وجہ سے اپنا فرض چھوڑ دوں؟" جہان نے بے بسی سے کہا،

"در فٹے منہ!" حمدان جھنجلا کر بولا، "تیری سوئی اسی جگہ کیوں اٹک جاتی ہے؟ کوئی تجھ سے تیرے فرض سے دستبردار ہونے کا نہیں کہہ رہا۔ چول انسان، بیوی اور کام میں توازن بنانا سیکھ! جس طرح تو بغیر بتائے کہیں بھی نکل جاتا ہے، یہ بات اسے سخت ناپسند ہے۔ وہ تو چاچو سے بھی پوری ڈیٹیل لیتی ہے کہ کہاں جا رہے ہیں اور کب واپس آئیں گے۔"

پھر سنجیدہ ہو کر کہا، "اس لیے اپنی عادتیں بدل۔ جانے سے پہلے حرا اور مہرہ سے مل لے، شاید تجھے حورام کو سنبھالنے کا کوئی طریقہ بتا دیں۔ لیکن میرا خیال ہے، اس کا بھی کوئی اثر نہیں ہو گا!"

حمدان کی اتنی لمبی تقریر سننے کے بعد جہان کا دل چاہا کہ اس کا منہ توڑ دے، مگر بس ایک "فٹے منہ" کا اشارہ کر کے چلتا بنا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"مجھے تمہیں کچھ بتانا ہے۔"

اس کو حال میں قاسم صاحب کی آواز واپس لائی۔

"کیا بات ہے۔۔۔۔۔کوئی پریشانی ہے۔"

اس نے ان کی پریشان صورت دیکھ کر کہا۔

"حورام کو سچ بتا دیا گیا ہے۔"

انھوں نے اس کا چہرہ دیکھتے کہا۔

"اچھا ہی ہے انھوں نے خود بتا دیا۔ مجھے تو آپ کی لاڈلی نے مہلت ہی نہیں دی۔ ویسے بھی جتنی وہ مجھ سے بدگمان ہے نا، مشکل ہی تھا کہ وہ میری بات پر یقین کرتی۔ اچھا ہی ہے چاچو لوگوں نے اس کو بتا دیا۔"

اپنی بات کہہ کر وہ سونے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی قاسم صاحب بھی چلے گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حورام نے صبح اٹھتے ہی واپس جانے کا شور ڈال دیا۔ سچ سننے کے بعد اب وہ جہان سے معافی مانگنا چاہتی تھی۔

آفتاب صاحب نے اسے کہا تھا کہ وہ اسے دوپہر میں چھوڑ آئیں گے۔ ابھی دس بج رہے تھے اور جلے پیر کی بلی کی طرح گھوم رہی تھی۔

"بیٹھ جائو۔ حورام تمہیں دیکھ کر مجھے الجھن ہو رہی ہے۔"

مہرہ اس کو مسلسل چکر کاٹتے دیکھ کر تپ کر بولی مگر خلاف توقع حورام نے کوئی جواب نہیں دیا۔

حرا آج کل اپنے ایگزیمز کی وجہ سے مصروف تھی۔ اس کو سر اٹھانے کی فرصت نہیں تھی۔ اس لیے مہرہ بھی بور ہو رہی تھی۔

جب اس کا صبر جواب دے گیا۔ تب وہ آفتاب صاحب کے پاس گئی جو خود کہیں جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے۔

"پاپا مجھے گھر جانا ہے۔"

حورام نے جلدی سے کہا۔

"میں نے کہا ہے نا کہ میں آپ کو دوپہر میں چھوڑ آئوں گا۔"

آفتاب صاحب نے مصروف انداز میں کہا۔

"مگر مجھے ابھی جانا ہے۔ اگر آپ مصروف ہیں تو میں خود چلی جائوں گی۔"

حورام منہ بناتے کہا.

"اکیلے تو میرا بچہ میں آپ کو جانے نہیں دوں گا۔ اس سے بہتر ہے کہ آپ جہان کو بلا لو۔ وہ آپ کو لے جائے گا۔"

ان کا مشورہ اس کو ٹھیک لگا مگر اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ خود جہان کو کال کرتی۔

پہلے تو کافی دیر سوچتی رہی کہ کیا کرے۔ پھر ایک آئیڈیا آیا او اس پر عمل کرتے اس نے قاسم صاحب کو فون کیا جو پہلی ہی دفعہ میں اٹھا لیا گیا۔

"کیسی ہے میری بیٹی۔"

وہی شفقت بھرا لہجہ۔ حورام مسکرائی۔

"میں ٹھیک ہوں چاچو۔ آپ کیسے ہیں۔"

اس نے بھی اپنائیت سے پوچھا۔

"میں بھی ٹھیک ہوں مگر اپنی بیٹی کو یاد کر رہا ہوں جو مجھے بھول گئی ہے۔"

انھوں نے شکوہ کیا۔

"میرے کیوٹ سے چاچو میں تو کب سے تیار ہوں واپس آنے کے لیے مگر پاپا کہہ رہے ہیں کہ دوپہر تک آئیں گے۔ مگر مجھے ابھی گھر آنا ہے۔"

حورام نے اپنا مسئلہ بتایا۔ وہ جانتی تھی کہ قاسم صاحب خود ہی جہان کو اسے لینے بھیج دیں گے اور ہوا بھی اس کی توقع کے عین مطابق۔

"یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ میں ابھی جہان کو بھیجتا ہوں۔ وہ ابھی تمہیں لینے آجائے گا۔"

قاسم صاحب نے اس کی دلی مراد پوری کر دی۔

دوسری طرف جہان جو کہیں جانے کے لیے نکل رہا تھا۔ اسے قاسم صاحب نے حورام کو لینے جانے کا کہہ دیا۔

جس پر وہ بغیر کچھ کہے مان گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تین گھنٹے کے بعد ایک بجے وہ ان کے گھر کے سامنے تھا۔ ایک گھنٹا وہ لیٹ ہو گیا کیونکہ اسے ایک کام تھا جو پورا کر کے وہ آیا۔

آفتاب صاحب نے اسے گھر کے اندر آنے کا کہا۔ مگر وہ جلدی اور پھر کبھی آنے کا کہہ کر حورام کو لے کر گاؤں کے لیے نکل گیا۔

پورا سفر پچھلی بار کی طرح خاموشی سے گزرا۔ حورام کی خاموشی کی وجہ اس کی انا تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ جہان ہی پہل کرے۔ جبکہ جہان کی خاموشی کے پیچھے حورام کا کمفرٹ تھا۔ اسے یہی لگ رہا تھا کہ حورام اسے سے بات نہیں کرنا چاہتی۔

اسی خاموشی سے وہ لوگ گاؤں پہنچے۔ گھر آکر وہ سب سے ملی۔ سلمابیگم نے خود اس بار اس سے بات کرنے میں پہل کی جس پر باقی سب حیران ہونے کے ساتھ ساتھ خوش بھی ہوئے۔

سب لوگ باتوں میں مصروف تھے جب قاسم صاحب نے سب کو متوجہ کیا۔

"اب جب کہ حورام اور جہان آگئے ہیں تو میں آپ سب کو کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ سب جانتے ہیں کہ حورام اور جہان کا ابھی تک ولیمہ نہیں ہوا۔ اس لیے میں نے سوچا ہے کہ ٹھیک ایک ماہ بعد ان دونوں کا ولیمہ کر دیا جائے۔"

سب کو قاسم صاحب کی بات درست لگی۔ کیونکہ ان دونوں کا ولیمہ ابھی تک نہیں ہوا تھا جو کہ ضروری تھا۔

اس لیے ولیمہ اگلے مہینے کے پہلے ہفتے میں رکھا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جہان سونے جا چکا تھا جبکہ حورام عائزہ سے بات کر رہی تھی۔ وہ جب روم میں آئی تب جہان سو چکا تھا۔

وہ اس سے بات کرنا چاہتی تھی مگر نہیں ہو پائی۔ اس میں اتنہ ہمت نہیں تھی کہ وہ خود پہل کرے۔

اس لیے خود بھی خاموشی سے سونے کے لیے لیٹ گئی۔ ساری رات وہ بے چینی میں کروٹیں بدلتی رہی جبکہ جہان خود پر سکون سو رہا تھا۔

صبح اس کی آنکھ ساڑھے نو کھلی ، اس نے بیڈ کی دوسری سائڈ دیکھی مگر جہان وہاں موجود نہیں تھا۔ وہ جلدی سے اٹھی اور تیار ہو کر نیچے گئی۔ اس امید میں کہ شاید وہ ابھی نہ گیا ہو۔ مگر ایک بار پھر اسے ناکامی کا سامنا ہوا کیونکہ جہان جا چکا تھا۔

عائزہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لیے آج وہ ہاسپٹل نہیں گئی۔ اس وقت وہ اپنے روم میں آرام کر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جہان پولیس سٹیشن پہنچا۔ اسے خبر ملی تھی کہ فیروز اپنے باپ کی گرفتاری کے بارے میں علم ہوتے ہی واپس آگیا تھا۔

اسے یہی لگا کہ اس وقت فیروز پولیس سٹیشن میں موجود ہو گا۔ اپنے باپ کی ضمانت کروانے کے لیے۔ مگر وہاں کسی کو نہ پا کر اسے حیرانی ہوئی۔

آج کل کام زیادہ تھا کیونکہ ایک بڑا مجرم ان کے ہاتھ آگیا تھا۔ اس لیے وہ کافی مصروف تھا۔

ابھی بھی وہ کوئی فائل دیکھ رہا تھا جب اس کے فون پر کال آئی جو کہ ان نون نمبر سے تھی۔

"اچھا نہیں کیا میرے باپ کو گرفتار کر کے تم نے۔"

فون اٹھاتے ہی فیروز کی آواز آئی۔

"میں انتظار ہی کر رہا تھا۔ حیرت ہے باپ جیل میں ہے اور بیٹا باپ کو پوچھنے بھی نہیں آیا۔ چچ چچ چچ۔ افسوس کا مقام ہے۔"

جہان نے چڑانے کے انداز میں کہا۔

"میری چھوڑو اپنی فکر کرو ایس پی۔۔۔۔۔ اب تو بچ۔ اچھا نہیں کیا تو نے ہم پر ہاتھ ڈال کر۔ اب اپنے انجام کا زمہ دار تو خود ہو گا۔"

فیروز دھمکی دیتے بولا۔ ابھی وہ کچھ اور بولتا کہ جہان نے فون رکھ دیا۔ اس کو کوئی دلچسپی نہیں تھی اس کی دھمکیاں سننے میں۔

مگر ایک بار پھر وہ غلطی کرنے جا رہا تھا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ کس کی جیت ہوتی ہے اور کس کی ہار۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کے تین بج رہے تھے مگر جہان کی واپسی نہیں ہوئی۔ حورام بیچینی سے لائونج میں چکر کاٹ رہی تھی۔

آج اس نے فیصلہ کیا تھا کہ جہان سے بات کر کے رہے گیل

"اتنی ٹھنڈ میں کیوں ایسے پھر رہی ہو۔"

اسے پیچھے سے جہان کا آواز آئی۔ وہ جھٹکے سے پلٹی اور اس کو دیکھا جو خود تھکا سا کھڑا تھا۔

تھکان شکل پر واضح تھی۔

وہ بھاگ کر اس تک گئی اور اس کے سینے سے لگ گئی۔ جہان اس افتاد پر حیران ہوا۔

"کہاں تھے آپ اتنی دیر سے۔ آپ کو پتہ ہے میں کتنا ڈر گئی تھی۔ عجیب عجیب سے خیال آرہے تھے، اوپر سے آپ بغیر بتائے صبح چلے گئے۔۔۔۔۔۔"

رونے کے باعث اس سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔

جہان اسے خود سے لگائے، اس کے بال سہلا رہا تھا۔ اسے کمفرٹ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد حورام کا رونا ہچکیوں میں بدل گیا۔

"حورام کیا ہو گیا ہے؟ ایسے کیوں رو رہی ہو؟

کسی نے کچھ کہا؟۔ مام نے کچھ کہا؟"

حورام نے ایسے ہی اس کے ساتھ لگے نفی میں سر ہلایا۔

جہان آگے کچھ نہیں بولا۔ اسے رونے دیا تاکہ جو بھی اس کے دل کا غبار ہے وہ نکل جائے۔

"ہان"

کچھ دیر بعد اس کی آواز آئی۔

"جی جان ہان"

اس نے جھک کر اس کے بالوں کو چومتے کہا۔

"آپ مجھ سے ناراض ہیں۔"

اس نے کب سے دل میں مچلتا سوال پوچھا۔

"میں کیوں ناراض ہوں گا۔"

جہان نے اسے خود سے الگ کیا اور حیرانی سے دیکھنے لگا۔

"میں نے آپ سے بدتمیزی کی۔ آپ کو اتنی باتیں سنائیں۔ آپ نے کل سے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔"

حورام نے شرمندگی سے سر جھکاتے کہا۔

پہلے تو جہان کو سمجھ نہیں آئی۔ وہ اسے کے جھکے سر کو دیکھتا رہا۔

پھر اس کو دو دن پہلے کی لڑائی یاد آئی اور ساتھ حورام کی شرمندگی کی وجہ بھی سمجھ آئی۔

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ اسے جیسے "تمہارا کیا سنے گا۔"

اس نے حورام کا ہاتھ تھام کر اسے صوفے پر بٹھایا اور خود اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔۔۔ کل سے تم سے بات اس لیے نہیں کر سکا کیونکہ ایک کیس کی وجہ سے ٹینشن میں تھا۔۔۔۔۔۔ جہاں تک بات رہی تمہاری باتیں سنانے کی۔ تو میں اس پر بھی ناراض نہیں ہوں۔ ناراض بھی کیوں ہوں۔ تم نے جو بھی کہا وہ غلط نہیں تھا۔ ایک طرح سے تمہاری بات صحیح تھی۔ ہاں مجھ سے تمہیں اور ہمارے بچے کو لے کر کوتاہی ہوئی۔ میں تمہارے ساتھ مشکل وقت میں نہیں تھا میں مانتا ہوں۔۔۔۔۔۔ مگر حورام پاس نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ میں تم سے بے خبر رہا۔۔۔۔ میں سب حالات سے باخبر تھا۔۔۔۔۔۔ مگر میری تمہارے آس پاس موجودگی تمہارے لیے خطرہ تھی۔۔۔۔۔۔"

"کیسا خطرہ۔۔۔"

حورام کے پوچھنے پر جہان کو لگا کہ یہی صحیح وقت ہے اسے بتانے کا۔

"تمہیں جس نے اغوا کیا تھا نا وہ ایک بہت بڑا سمگلر تھا۔ تمہیں اغواء کرنے کے پیچھے بھی وجہ یہی تھی کہ وہ آگے تمہارے ساتھ کچھ غلط کریں۔۔۔۔ یہ سب وہ دشمنی کی آڑ میں کر رہے تھے۔۔۔۔۔۔ وہ تمہارے زریعے مجھے نقصان پہنچانا چاہتے تھے۔۔۔۔۔ اس دن بھی جب تم اغوا ہوئی تھی۔۔۔۔۔ وہ تمہیں اپنے ساتھ لے کر جانے والے تھے۔ مگر میرے وہاں پہنچنے کی خبر ملتے ہی وہ تمہیں اس جنگل میں چھوڑ گئے۔۔۔۔۔۔۔

مگر جس نے تمہیں اغوا کیا تھا وہ پکڑا گیا۔۔۔۔۔ وہ ایم این اے تیمور خان کا بیٹا فیروز تھا۔

میں نے اسے گرفتار کرلیا تھا، اس کے باپ نے اسے بچانے کی بہت کوششیں کی۔ مگر کامیاب نہیں ہوسکا۔۔۔۔

ہمارے نکاح والی رات پولیس سٹیشن میں آگ لگ گئی تھی، جہاں وہ تھا۔ اس آگ کی آڑ میں وہ بھاگ گیا۔

صرف یہی نہیں اگلے دن تمہارے گھر جانے کے بعد رات کو بھائی کے ہوسپٹل میں آگ لگوائی گئی۔ بہت زیادہ جانی و مالی نقصان ہوا۔

ابو کو جب آگ کا علم ہوا تب وہ ہوسپٹل جانے کے لیے نکلے مگر تب راستے میں اندھیرے میں ان کو مارنے کی کوشش کی گئی۔ گاڑی کے ٹائر پر فائرنگ کی گئی جس کی وجہ سے گاڑی توازن نہیں رکھ سکی۔ اس کے علاوہ گاڑی پر فائرنگ کی گئی۔

ابو کو بازو پر گولی لگی۔ جب کہ ڈرائیور کو بھی کافی چوٹیں آئیں۔۔۔۔۔ چاچو کو ساری باتوں کا علم تھا مگر پریگنینسی کی وجہ سے تمہیں کچھ نہیں بتایا گیا۔ تمہیں یہاں سے دور رکھنے کا مقصد تمہاری حفاظت کرنا تھا۔"

حورام حیرانی اور خوف کی ملی جلی کیفیت میں اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اتنا کچھ ہوا اور اسے کچھ علم نہیں تھا۔

اسے شرمندگی ہوئی کہ بنا کچھ جانے اس نے جہان کو اتنی باتیں سنائی۔ اگر اس نے مشکل دیکھی تو پرسکون وہ بھی نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس نے حورام کو ابھی اصل بات نہیں بتائی تھی۔ پچھلی باتیں سن کر ہی وہ خوفزدہ ہوگئی تھی۔ اگر وہ اسے ابھی کچھ دیر پہلے ہوا واقعہ بتا دیتا تو ضرور سٹریس لے جاتی۔

فیروز نے اپنا وار کیا۔ یہ تو شکر تھا کہ اسے کوئی نقصان نہیں ہوا۔ وہ خود ساڑھے دس بجے تھانے سے نکل گیا تھا۔ کافی تھکن کے باعث اس نے ڈرائیور کو ساتھ لیا۔ اس میں بالکل ہمت نہیں تھی ڈرائیونگ کی۔ وہ پیچھے کی سیٹ پر آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔

کل سے حورام سے اس کی کوئی بات نہیں ہوئی۔ رات کو جلدی سونے اور صبح جلدی اٹھنے کے باعث ان دونوں کی بات نہیں ہو سکی۔ آج بھی اس کو دیر ہوگئی۔ اسے یقین تھا کہ حورام سو چکی ہوگی۔

ابھی وہ انھی سوچوں میں گم تھا۔ جب ان کی گاڑی جھٹکے سے رکی۔ اس نے فوراً آنکھیں کھولیں۔ ایک لمحہ لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک گولی ڈرائیور کو لگی۔ جو اس کی کندھے پر لگی۔

جیان نے اپنی پسٹل نکال کر کھڑکی سے تھوڑا سا نکل کر سامنے والے کا نشانہ لیا۔ ساتھ ہی ڈرائیور کو تھانے کال کرنے کا کہا۔ اس بے چارے نے زخمی حالت میں بھی تھانے اطلاع کر دی۔

وہ لوگ ابھی پولیس سٹیشن سے زیادہ دور نہیں تھے۔ اس نے ڈرائیور کو نیچے جھکنے کا کہا اور خود سامنے موجود غنڈوں کا نشانہ لیا۔ وہ دس تھے جب کہ وہ اکیلا۔ روڈ خالی تھی۔

کچھ دیر بعد شکیل بھی باقی ٹیم کے ساتھ پہنچ گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے جیسے روڈ پر جنگ کا ماحول بن گیا۔ دونوں طرف سے گولیاں چل رہی تھیں۔ ابھی شکر تھا کہ روڈ پر کوئی شہری نہیں تھا۔

ان غنڈوں نے بھاگنے کی کوشش کی مگر ان کو حراست میں لے لیا گیا۔ جہان شکیل سے بات کر رہا تھا کہ گاڑی سے فیروز باہر نکلا۔ جسے دیکھ کر جہان حیران ہوا۔ اسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ فیروز بھی یہاں موجود ہو گا۔

فیروز جو جہان کو اپنے سامنے مرتا دیکھنے کے لیے موجود تھا۔ اسے زندہ دیکھ کر پاگل سا ہو گیا۔ اپنی پسٹل لے کر وہ گاڑی سے باہر نکلا اور جہان کی طرف گولی چلا دی۔ اس سے پہلے گولی جہان کو لگتی، شکیل نے اسے دھکا دیا اور خود سامنے آگیا۔ لمحوں کا کھیل تھا جو گولی جہان کو لگنے والی تھی وہ شکیل کو لگ گئی۔

جہان اور فیروز دونوں شاکڈ ہو گئے۔ پہلے شاک سے فیروز باہر آیا۔ اس سے پہلے کے وہ بھاگنے میں کامیاب ہوتا۔ جہان نے اس کی ٹانگ پر گولی ماری۔ جس کے باعث وہ نیچے گرا اور جہان نے اسے پکڑ لیا۔

شکیل کو اور ڈرائیور کو ہاسپٹل بھجوانے کے بعد وہ فیروز کو تھانے لے گیا۔ اسے لاک اپ میں ڈال کر اگلا کام داؤد صاحب کو کال کرنے کا کیا۔

مختصر کر کے ان کو سارا واقع بتایا۔ وہاں سے سیدھا ہاسپٹل گیا۔ ڈرایور کو کندھے پر گولی لگی تھی۔ جو نکال لی گئی تھی۔ جب کہ شکیل کو گولی بازو میں لگی تھی۔

غرض کے دونوں خطرے سے باہر تھے۔

فیروز نے یہ سب جان بوجھ کر کیا مگر انجانے میں وہ اپنے خلاف ثبوت دے کر جہان کا کام آسان کر چکا تھا۔

پرویز کا پتہ تیمور خود کاٹ چکا تھا۔ اس کے خلاف سارے ثبوت دے کر۔ اس کے تینوں مجرم اپنے انجام کو پہنچ چکے تھے۔

سارے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد وہ گھر کے لیے نکلا۔ گھر پہنچ کر حورام کو جاگتا دیکھ کر اسے حیرانی ہوئی۔ حورام کا اس کے لیے فکر مند ہونا اسے اچھا لگا۔

Hooria AHMAD

ساری غلط فہمیاں اور بدگمانی دور ہو گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح ان کے لیے ایک اور خوش خبری لائی۔ فلحال سارے گھر پر تھے۔ جہان آج پولیس سٹیشن نہیں گیا۔ اس کے حورام کے درمیان سب ٹھیک ہو گیا تھا جس کا ثبوت سب گھر والوں کو صبح ہی مل گیا تھا۔ ان دونوں کا اکٹھے نیچے آنا۔ حورام کا جہان کو ناشتہ دینا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ اب حورام کو لے کر فلیٹ شفٹ ہو جاؤں۔ روز روز یہاں آنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بلکہ میں سوچ رہا ہوں کہ کیوں نہ ہم اپنے شہر والے گھر دوبارہ شفٹ ہو جائیں؟"

جہان کے بات پر قاسم صاحب نے سلما بیگم کو دیکھا جو سکون سے کھانا کھا رہی تھیں۔ خلاف توقع انھوں نے کوئی ہنگامہ نہیں کیا۔

" صحیح کہہ رہے ہو تم۔ اب ہمیں شہر شفٹ ہو جانا چاہیے۔ مگر تم اور حورام بھی ہمارے ساتھ رہو گے۔ فلیٹ میں نہیں۔ "

سلما بیگم کی بات ان سب کو حیرت میں ڈال گئی۔ مگر اگلی بات پر تو حورام کو لگا کہ وہ بے حوش ہو جائے گی۔

"حورام بیٹا آپ ناشتے کے بعد میرے پاس آنا۔ آپ کی امانت میرے پاس ہے۔ "

ان کے لہجے پر حورام نے آنکھیں پھاڑے ان کو دیکھا جب کہ جہان کا حال بھی اس سے مختلف نہیں تھا۔

"جی آنٹی۔"

یہ دو لفظ بمشکل حورام کے گلے سے نکلے۔

"آنٹی نہیں مام۔ ان کو تم بے شک چاچو کہو مگر مجھے مام کہا کرو۔"

ان کا بدلہ رویہ سب لوگوں کے لیے حیرت کا باعث تھا۔

"حورام پتر اگر تے تو اپڑی چاچی نوں مام کہے گی تے فیر مین وی ڈیڈیا ابو کہہ۔"

قاسم صاحب نے مسکراتے کہا۔

"سجاد تم آج عائزہ کو ڈاکٹر کے لے جانا۔ کل سے بے چاری کی حالت خراب ہے۔"

اگلا آرڈر انھوں نے سجاد کو دیا جس پر اس نے سر ہلایا۔ کچھ دیر بعد سجاد عائزہ کو لے گیا۔

قاسم صاحب اور جہان باتوں میں لگ گئے۔ اگلے مہینے ولیمہ تھا۔ جہان کی خواہش تھی کہ وہ لوگ اپنے شہر والے گھر ہوں۔

حورام سلما بیگم کے کمرے میں گئی۔ دروازہ کھٹکانے پر انھوں نے اسے اندر آنے کی اجازت دی۔

حورام نے دیکھا کہ ان کے سامنے دو جیولری بوکس کھلے ہیں۔

"آئو حورام یہ دیکھو۔ یہ جہان کی دادی نے تمہارے لیے رکھے تھے۔ ان کی ہمیشہ خواہش تھی کہ وہ تمہیں خود یہ دیں مگر جو اللہ کو منظور۔ "

انھوں نے یاد کرتے کہا۔ حورام آنکھیں پھاڑے ان کا رویہ دیکھ رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کی ساس جنھوں نے اسے جہان سے الگ کرنے کی خاطر کتنا سب کچھ کیا۔ وہ خود اب اس سے اتنے پیار سے بات کر رہی تھیں۔

انھوں نے اسے دو بوکس دیے۔ ایک میں ایک سونے کا پیارا سا سیٹ تھا۔ جب کہ دوسرے میں چھ سونے کی چوڑیاں تھیں اور ایک انگوٹھی تھی۔

"یہ انگوٹھی انھوں نے تمہیں منگنی پر دینی تھی۔ نکاح کے باوجود ان کی خواہش تھی کہ تم لوگوں کی منگنی ہو جس میں وہ تمہیں یہ انگوٹھی پہنائیں۔"

انھوں نے انگوٹھی حورام کو پہناتے کہا۔ ساتھ تین چوڑیاں ایک بازو میں جب کہ تین ایک بازو میں پہنائیں۔ آخر کار اکیس سال بعد حناع حورام شاہ کو سسرال کا مان مل گیا۔ اس کی ساس نے اسے بہو ہونے کا مان دے دیا۔ اس وقت وہ کتنی خوش تھی یہ اس کے علاوہ صرف اللہ کی ذات جانتی تھی۔

اسے ان کا رویہ دیکھ کر یہی لگتا تھا کہ ان کے درمیان روایتی ساس بہو والا رشتہ ہو گا۔ مگر اللہ نے اس کی مدد کی۔ اس کو سب مل گیا۔ اچھا قدردان شوہر، قدردان سسرال جس کی ہر لڑکی کو خواہش ہوتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سلما بیگم کو گھر والوں کی حیرانگی کا اندازہ تھا۔ پہلے ہی انھوں نے خود اپنے گھر کا ماحول خراب کیا فضول باتوں کے پیچھے۔ اب مزید ہو ایسا نہیں چاہتی تھیں۔

وہ جہان کو حورام کے ساتھ خوش دیکھ رہی تھیں۔ ان کو سمجھ آگئ تھی کہ ان کے بیٹے کی خوشی حورام ہی ہے۔ اللہ کی رضا اسی میں تھی۔ ورنہ انھوں نے کتنی کوشش کی اس رشتے کو ختم کرنے کی، جہان کو حورام سے دور کرنے کی۔ مگر یہ اللہ کا فیصلہ تھا اور وہ کون ہوتی ہیں اللہ کے فیصلے کے خلاف جانے والی۔

دوسری وجہ کچھ باتوں کا سامنے آنا تھی۔ کچھ دن پہلے جب وہ صائمہ بیگم کے گھر گئیں تب بہت سی حقیقتوں سے پردہ اٹھا۔

رانیہ کا کسی لڑکے سے افیئر چل رہا تھا۔ اس کا یہ پہلا افیئر نہیں تھا۔ وہ لڑکوں کو ٹیشو کی طرح بدلتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ڈرگز بھی لیتی تھی۔ کلبز میں لڑکوں کے ساتھ وقت گزارنا اس کے لئے عام تھا۔

سلما بیگم ان باتوں سے انجان تھیں۔ جہان یہ سب پہلے سے جانتا تھا اس نے بہت باہر رانیہ کو مختلف لڑکوں کے ساتھ دیکھا تھا مگر یہ بات اس نے سلما بیگم کو نہیں بتائی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی ماں کو یہ سب جان کر تکلیف ہو گی اور ہوا بھی وہی۔

صائمہ بیگم کو ان کا آمد کا علم نہیں ہوا۔ رانیہ کی زبان درازی پہلی بار ان کے سامنے تھی۔ ورنہ وہ ہمیشہ ان کے سامنے بڑی معصوم بنتی تھی۔

ان کو افسوس ہوا کہ ایسی لڑکی کو بہو بنانے کے لیے وہ اپنے بیٹے کا گھر خراب کر رہی تھیں۔ ان کو صرف حورام کے سٹیٹس سے مسئلہ تھا ورنہ اندر یہ بات وہ بھی جانتی تھیں کہ حورام پاک صاف کردار کی مالک ہے۔ وہ سید زادی تھی۔ اس کی تربیت بہت اچھی ہوئی تھی۔

اس دن صائمہ بیگم کے گھر سے آنے کے بعد ان کے لیے فیصلہ آسان ہو گیا۔ ایک امیر اور بدکردار لڑکی سے بہتر ان کی بہو تھی۔

اس دن انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ حورام کو خوشی سے قبول کریں گی اور اسے بیٹی والا مان دیں گی۔

انھوں نے قاسم صاحب کو بھی کچھ نہیں بتایا۔ اب ان کو اپنے گھر کا ماحول خود ٹھیک کرنا تھا اور اپنے گھر کو جوڑ کر رکھنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کچھ ہی دیر بعد ایک اور خوشی کی خبر ان کے گھر آئی۔ عائزہ ماں بننے والی تھی۔ سب لوگوں کی خوشی کی انتہا نہیں تھی۔ قاسم صاحب نے عائزہ کا صدقہ دیا۔

حورام نے عائزہ کی دیکھ بھال کی ڈیوٹی سنبھال لی تھی۔

Hooria AHMAD
WRITING STORIES • SHARING THOUGHTS • INSPIRING MINDS

کچھ ہی دیر میں صائمہ بیگم اور رانیہ بن بلائے مہمان کی طرح آگئیں۔

پہلی بار ان کو دیکھ کر سلمہ بیگم کا منہ بنا جسے کسی اور نے دیکھا ہو نہ ہو۔ قاسم صاحب نے ضرور دیکھا تھا اور وہ حیران تھے۔ کہاں وہ اپنی بہن کے آنے پر پھولے نہیں سماتی تھیں اور کہاں آج ان کو دیکھ کر منہ بنا رہی ہیں۔

صائمہ بیگم نے اپنا دکھاوا شروع کر دیا تھا ساتھ میں رانیہ نے بھی۔

"مجھے تو بہت خوشی ہوئی سن کر۔ خیر سے تم دادی بننے والی ہو۔ گھر میں پہلا بچہ آنے والا ہے۔"

سلما بیگم کو پہلی بار ان کے لہجے کی منافقت محسوس ہوئی۔ ظاہر ہے جب اندھے اعتبار کی پٹی اترے تو سب کچھ صاف صاف دکھنا شروع ہو جاتا ہے۔

رانیہ بڑھ چڑھ کر کام کرنے کا دکھاوا کر رہی تھی جو سلما بیگم کو غصہ دلا رہا تھا۔ کیونکہ وہ حورام کو پیچھے کر کے جہان کے آگے پیچھے پھر رہی تھی۔

"ارے جہان کتنا کمزور ہو گئے ہو بیٹا۔ لگتا ہے تمہاری بیوی تمہارا خیال نہیں رکھتی۔ بہت ہی پھوہڑ ہے تمہاری بیوی۔ کچھ نہیں آتا اسے۔ اب یہی دیکھ لو خالہ ساس آئی ہوئی ہے۔ نہ تو مجھے سلام کیا اور نہ ہی کچھ پوچھا۔

ایک میری رانیہ ہے۔ سب کا اتنا خیال رکھتی ہے۔ تمیزدار اور سگھڑ بچی ہے۔"

اس سے زیادہ سلما بیگم برداشت نہیں کر سکتیں تھیں۔

"معاف کیجیے گا آپا۔ مگر میری بہو ایک بہترین بیوی اور بہو ہے۔ اللہ کا شکر ہے جس نے ایسی نیک، پاک اور شریف لڑکی کو میری بہو بنایا ہے۔ ماشاء اللہ بہت سعادت مند اور خدمت گزار بچی ہے۔ جب سے آئی ہے مجھے کوئی کام نہیں کرنا پڑا۔ سارے گھر کی ذمہ داری خود ہی سنبھال لی۔ یہاں تک کہ عائزہ کی دیکھ بھال کی بھی۔ جہاں تک بات اس کے سلام کرنے کی ہے تو اس نے میرے سامنے آپ کو سلام کیا تھا مگر شاید آپ نے سنا نہیں یا آپ سننا نہیں چاہتی تھیں۔"

سلما بیگم کی صاف گوئی اور الفاظ میں چھپے طنز پر صائمہ بیگم کا چہرہ سفید ہو گیا۔

"ایک بات اور مجھے بالکل پسند نہیں کہ کوئی میرے گھر آکر میری بہوؤں کے بارے میں بولے۔ آج آپ نے بول دیا آگے خیال رکھیے گا۔ دوپہر کا کھانا کھا کر جائیے گا۔"

مطلب صاف تھا کہ کھانا کھاتے ہی چلتے بنو۔ ان کا حورام کی اس طرح سائیڈ لینا سب کو بہت اچھا لگا۔ یہ آغاز تھا خوشحال زندگی کا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دیکھتے ہی دیکھتے ایک مہینہ گزر گیا اور ولیمے کا دن آن پہنچا۔ وہ لوگ اپنے شہر والے گھر میں شفٹ ہو گئے تھے۔

حورام نے پرپل کلر کی میکسی اور جہان نے بلیک ڈنر سوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ دونوں اس وقت ایک پرفیکٹ کپل کا منظر پیش کر رہے تھے۔

قاسم صاحب اور سلمیٰ بیگم مہمانوں کو دیکھ رہے تھے۔ سلمیٰ بیگم بہت پیار سے اور احترام سے نائمہ بیگم سے ملیں۔ ان کے انداز میں کوئی منافقت نہیں تھی۔ جس پر نائمہ بیگم بھی ساری پرانی باتیں بھلائے خوش دلی سے ملیں۔ دونوں خاندانوں کے تعلقات پھر سے اچھے ہو گئے تھے۔

حورام کے گریجویشن کا رزلٹ بہت پہلے ہی آگیا تھا۔

جس میں اس کے اچھے نمبر تھے۔ جہان اس کے آگے بی ایس کے ایڈمیشن فارم لے آیا تھا کچھ دن پہلے۔

مہرہ کو آگے پڑھنے کا شوق تھا مگر سمیہ بیگم اس کر ایک سال بعد رخصتی پر بضد تھیں۔

مہرہ نے عمار سے بات کی۔ عمار کو مہرہ کے آگے پڑھنے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ اس نے خود ہی داؤد صاحب سے بات کر کے رخصتی دو سال بعد کرنے کا کہا۔

حورام نے بی ایس انگلش میں ایڈمیشن لیا۔ کلاسز شروع ہونے میں ابھی ایک مہینہ تھا۔

سب نے ان کو کہیں گھومنے پھرنے کا کہا۔ مگر ان دونوں نے انکار کر دیا۔ حورام کی جہان سے ڈیل ہو گئی تھی کہ وہ جب بھی کہے گی وہ اسے لونگ ڈرائیو پر لے کر جائے گا۔ جس پر جہان آرام سے مان گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"یار، حورام، آخر بتا بھی دو کہاں جانا چاہتی ہو؟ دو دن سے پوچھ رہا ہوں، اور تم ہو کہ خاموشی اختیار کیے بیٹھی ہو۔ جلدی بتاؤ تاکہ میں چھٹیوں کی درخواست دوں، جو ویسے بھی منظور ہوتی نظر نہیں آ رہی۔"

"کیوں؟"

"ایک تو ابھی فیروز کی تازہ گرفتاری ہوئی ہے، جس کی وجہ سے اس کے حیلے پوری طرح سرگرم ہیں۔ پہلے ہی دو حملے مجھ پر ہو چکے ہیں، اس لیے اس وقت میرا اکیلے کہیں جانا مناسب نہیں لگتا۔"

"پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"میں تو صرف تمہاری خواہش جاننا چاہتا ہوں کہ تم کہاں جانا چاہتی ہو۔ میری پوری کوشش ہوگی کہ کچھ نہ کچھ انتظامات کر کے اور حفاظتی اقدامات کے ساتھ تمہاری خواہش پوری کروں۔ ابھی نہیں تو کچھ وقت بعد، جب یہ مسئلہ ٹھنڈا ہو جائے۔"

حورام تھوڑا توقف کے بعد بولی، "میرے پاس ایک مستقل اور بہتر حل ہے۔"

"وہ کیا؟"

"میں ہنی مون کے ٹور سے دستبردار ہونے کو تیار ہوں، لیکن اس کے بدلے میں ایک شرط ہے۔"

"کون سی شرط؟"

"آپ مجھے وعدہ کریں کہ جب میں کہوں گی، آپ مجھے لانگ ڈرائیو پر لے جائیں گے۔ اور ہاں، اس شرط سے بعد میں مکرنا نہیں!"

وہ ہنس کر بولا، "دیکھ لو، بعد میں اس ڈیل سے مکرنا مت۔"

حورام نے سنجیدگی سے کہا، "نہیں، مکروں گی نہیں۔ میں ایک پولیس والے کی بیوی ہوں اور اپنی بات پر قائم رہوں گی

وہ مسکراتے ہوئے بولا، "لانگ ڈرائیو؟ جب تم کہو، ابھی چلیں؟"

حورام نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا، "نہیں، ابھی نہیں۔ میں تو بس یہ جاننا چاہتی تھی کہ آپ وعدہ نبھائیں گے یا نہیں۔"

اس نے پیار بھرے لہجے میں کہا، "تم جانتی ہو کہ تمہاری ہر خواہش میرے لیے حکم ہے۔ بس تم وقت بتا دو، ہم فوراً چلیں گے۔"

حورام نے آنکھوں میں شرارت لیے کہا، "ٹھیک ہے، پھر اگلے ویک اینڈ پر تیار رہیں۔ لیکن یاد رکھیں، کوئی بہانہ نہیں چلے گا!"

وہ مسکراتے ہوئے جواب دیا، "وعدہ رہا، کوئی بہانہ نہیں بناؤں گا۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا، "فری ہونے کا تو پتا نہیں، لیکن تمہارے لیے تو ہمیشہ وقت نکال سکتا ہوں۔"

حورام نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا، "اچھا، تو پھر بتائیں، حقیقت میں کب فری ہوں گے؟"

اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا، "اگلے ہفتے کا اختتام کچھ کم مصروف لگ رہا ہے۔ تب ہم آرام سے جا سکتے ہیں، کیا خیال ہے؟"

حورام نے خوش ہو کر کہا، "یہ ٹھیک رہے گا، بس آپ اپنا وعدہ یاد رکھیں!"

"بالکل یاد ہے، تمہاری ہر خوشی میری ترجیح ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تین سال بعد:

صبح کا وقت تھا۔ عائزہ اور حورام ناشتہ بنا رہی تھیں۔بیچ میں سجاد نے عائزہ کو بلا لیا۔ اس لیے اس وقت حورام کچن میں اکیلی تھی۔

"مومی! مومی"

تھوڑی دیر بعد ڈھائی سالہ عائز(عائزہ اور سجاد کا بیٹا) حورام کے پاس آیا۔ جو اسے چاچی نہیں مومی کہتا تھا۔ عائزہ مام تھی اور حورام مومی تو کبھی مم.

"جی بیٹا۔ کچھ چاہیے آپ کو۔"

حورام نے پیار سے پوچھا۔

"مومی عائز کو بھوک لگی ہے۔"

عائز نے معصومیت سے کہا۔ ایک گھنٹہ پہلے عائزہ اسے ناشتہ کروا چکی تھی۔ مگر عائز کی بھوک پھر سے جاگ گئی تھی۔ اس لیے وہ حورام کے پاس آیا۔ اس کی موم نے تو اسے دوبارہ کچھ نہیں کھانے دینا تھا۔

"تو کیا کھانا ہے عائز نے۔"

حورام نے پیار سے اس کے گال کھینچتے کہا۔

"انڈا پراٹھا۔"

عائز نے اپنا پسندیدہ کھانا بتایا جو عائزہ اسے کم ہی کھانے دیتی تھی کیونکہ وہ بہت آئلی ہوتا تھا۔ مگر حورام سے بنوا کر وہ قاسم صاحب کے کمرے میں چھپ کر کھا لیتا تھا۔

حورام نے اس کے لیے چھوٹا سا پراٹھا اور انڈا بنایا جو وہ لے کر قاسم صاحب کے کمرے میں چلا گیا۔

حورام کی سٹڈیز ختم ہو گئی تھیں۔ اس نے بی ایس انگلش کر لیا تھا۔ جوب کرنے کا اس کو کوئی شوق نہیں تھا۔ اس لیے اب وہ ہاؤس وائف والی لائف گزار رہی تھی۔ عائز کے دو سال کے ہوتے ہی عائزہ نے دوبارہ ہوسپٹل جانا شروع کر دیا تھا۔

عائز کو گھر پر حورام سنبھالتی تھی۔

ابھی وہ خود اولاد کی نعمت سے محروم تھی۔ مگر کسی نے بھی اسے کوئی طعنہ نہیں دیا۔ باہر والوں میں سے بھی کسی کی ہمت نہیں ہوئی۔ کیونکہ سلما بیگم نے کسی کو اتنی اجازت ہی نہیں دی۔

کئی بار حورام کو یہ محرومی شدت سے محسوس ہوتی، ایسے وقت میں جہان اس کو ہمیشہ حوصلہ دیتا۔

ایسی سوچوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے وہ خود کو عائز میں مصروف کر لیتی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ دو دن بعد کا منظر ہے۔ حورام کمرے میں لیٹی تھی۔ اسے شدید تھکن ہو رہی تھی۔ طبیعت آج کل عجیب سی ہو رہی تھی۔ ہر وقت گھبراہٹ، الجھن ہو رہی تھی۔ کبھی کبھی چڑچڑی ہو جاتی۔

رات جب جہان گھر دیر سے آیا۔ تو حورام کا موڈ خراب تھا۔ جہان نے جب بات کرنے کی کوشش کی تو بلاوجہ لڑنے لگی۔ اس کو تھوڑا تعجب ہوا اس کے رویے پر مگر یہ سوچ کر اگنور کیا کہ کوئی پریشانی ہو گی۔

رات کے کسی پہر جہان کی آنکھ سسکیوں کی آواز سے کھلی۔

Hooria AHMAD
WRITING STORIES • SHARING THOUGHTS • INSPIRING MINDS
URDU NOVELS PSYCHOLOGY ARTICLES & MORE

اس نے کروٹ بدل کر دیکھا تو حورام رو رہی تھی۔ وہ اس کے رونے پر گھبرا کر اٹھا۔

"حورام کیا ہوا۔ رو کیوں رہی ہو۔"

جہان نے حورام کے قریب ہو کر پوچھا۔ اس کے آنسو صاف کیے۔

"ہاں میرے پیٹ میں بہت درد ہو رہا ہے۔"

جہان کو کچھ اور تو سمجھ نہیں آئی۔ کوئی دوائی وہ دے نہیں سکتا تھا اور اس وقت عائزہ کو بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اس لیے حورام کو قہوہ بنا کر دیا جس کے بعد اس کو کچھ آرام ہوا۔ جہان اس کے سرہانے بیٹھ کر اس کے بال سہلاتا رہا جب تک وہ سوئی نہیں۔

اب اسے مزید تشویش ہو رہی تھی۔

اسے ڈر تھا کہ حورام کہیں بیمار نہ ہو جائے۔ وہ اسے ڈاکٹر کے لے جانا چاہتا تھا مگر حورام مان نہیں رہی تھی اور کچھ کام کی بھی مصروفیات تھیں۔

دو دن بعد حورام کو شدید فلو ہوا۔ اس کا ناک بالکل لال ہو گیا تھا۔ حورام کی دن بدن گرتی طبیعت جہان اور سب گھر والوں کو ٹینشن دلا رہی تھی۔ دن بدن حورام کمزور ہو رہی تھی۔

ابھی وہ ناشتہ لے کر جب روم میں آیا۔ حورام نے منہ بنانا شروع کر دیا۔ ناشتے کی سمیل سے بھی اسے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

بمشکل اس نے دو تین نوالے کھائے۔

مگر جہان کا ارادہ اسے چھوڑنے کا نہیں تھے۔ اس کے لاکھ انکار کے باوجود وہ اسے ڈاکٹر کے لے گیا۔

جہاں ان کے ڈھائی سال کا انتظار ختم ہوا۔ ڈاکٹر نے حورام کی پریگنینسی کنفرم کر دی تھی۔ یہ خبر سن کر جہان جتنا خوش تھا۔ حورام بالکل خاموش ہو گئی تھی۔ جو فلحال جہان نے نہیں دیکھا۔ پورا راستہ مسکراہٹ جہان کے چہرے سے جدا نہیں ہوئی۔

گھر میں یہ خبر سنتے ہی جیسے عید کا سماں بن گیا۔ کچھ دیر بعد حورام کے گھر والے بھی آ گئے۔ ایک دعوت کا انتظام ہو گیا تھا۔

اتنی دیر میں پہلی بار جہان نے حورام کی خاموشی محسوس کی۔ باقی سب کو اس کا خاموش ہونا اتنا محسوس نہیں ہوا۔

رات تک باتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ حورام کو آرام کی خاطر روم میں بھجوا دیا۔ اس کے پیچھے ہی جہان کچھ دیر بعد گیا۔

وہ جب روم میں آیا تو حورام کو کھڑکی کے پاس کھڑا کسی سوچ میں گم پایا۔

وہ چلتے چلتے اس کے قریب آیا اور پیچھے کھڑا ہو گیا۔

اپنے بازو اس کے کندھے کے گرد لپیٹ لیے۔ حورام گھبرا گئی۔

"کیا بات ہے میں کب سے تمہاری خاموشی نوٹ کر رہا ہوں"

جہان نے کب سا دماغ میں چلتا سوال پوچھا۔

"دل گھبرا رہا ہے۔۔۔۔"

مختصر سا جواب۔

"کیوں؟"

جہان نے حیرانگی سے پوچھا۔

"ڈر لگ رہا ہے۔۔۔۔ عجیب سے وسوسے آ رہے ہیں۔"

دل کی بات زبان پر آ گئی۔

"کیسے وسوسے کیسا ڈر؟"

جہان کو اس کے ڈر کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

"اولاد کھونے کا۔۔۔۔۔۔ ایک بار پہلے اولاد کھو چکی ہوں۔۔۔۔۔ دوبارہ مجھ میں ہمت نہیں ہے ۔۔۔۔۔ میں برداشت نہیں کر پاؤں گی اس بار۔"

حورام نے اب کی بار اصل وجہ بتائی۔

"اللہ پر بھروسہ رکھو۔۔۔۔۔۔۔ وہ جو کرتا ہے اس میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے۔۔"

جہان نے اسے سمجھایا۔ اس بارے میں اس نے سلما بیگم اور نائمہ بیگم کو بھی بتایا۔ ان دونوں نے بھی اسے سمجھایا جس پر وہ چپ ہو گئی اور سارا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سب اس کا بہت خیال رکھ رہے تھے۔ جس طرح اس نے عائزہ کی دفعہ اس کا خیال رکھا اسی طرح عائزہ اس کا خیال رکھ رہی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے پانچ مہینے گزر گئے۔ جہان اس کا بہت خیال رکھ رہا تھا۔ اس دوران میں اسے حورام کے موڈ سوینگز کا سامنا بھی کرنا پڑتا۔ جو بہت مشکل تھا کیونکہ اسے وقت میں حورام لڑاکا عورت بن جاتی تھی۔

کچھ دن پہلے کی ہی بات تھی۔

جہان نے اس کو پراٹھا لا کر دیا۔ مگر ایک نوالا وہ کھا چکا تھا جس پر حورام رونا شروع ہو گئی۔

"کیا ہوا تم رو کیوں رہی ہو۔"

اسے روتے دیکھ کر وہ پریشان ہوا۔

"اب آپ مجھے اس طرح کھایا ہوا پراٹھا دیں گے۔"

حورام نے روتے ہوئے کہا۔

"کیا ہو گیا ہے حورام صرف ایک نوالا کھایا ہے تم کچھ زیادہ ہی سوچ رہی ہو۔"

جہان صدمے میں بولا۔

"ہاں اب تو آپ کو میری ہر بات بری لگے گی۔۔۔۔ کل کو میں بھی بری لگوں گی۔۔۔۔ موٹی جو ہو گئی ہوں۔ آپ کو کہاں اچھی لگوں گی۔"

حورام کی باتوں سے اسے سمجھ آگئی کہ وہ موڈ سوئنگز کی وجہ سے ایسے سوچ رہی ہے۔۔۔ بے اختیار اس کو ہنسی آئی۔

"آپ ہنس کیوں رہے ہیں۔"

حورام نے اسے گھورتے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔۔۔"

جہان نے بات ختم کرنا چاہی۔

"ہاں اب آپ کو میں بے وقوف بھی لگوں گی جس کی باتوں پر ہنسا جائے۔"

جہان نے ایک دم اس کا ماتھا چھوا۔۔۔۔ ایک پل کے لیے وہ خاموش ہوئی۔۔۔۔ اگلے ہی پل وہ خاموش ہو گئی۔

"یہ کیا تھا"

حورام نے اپنی خفگی مٹانے کے لیے اسے گھورا۔

"میری ناراض بیوی کو منانے کا طریقہ۔"

وہ اکثر اس کو لاجواب کر دیتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Hooria AHMAD
WRITING STORIES • SHARING THOUGHTS • INSPIRING MINDS

مزید وقت گزر گیا اور حورام کا آخری مہینہ شروع ہو گیا تھا۔

صبح کا وقت تھا۔ حورام ناشتہ کر رہی تھی۔ جہان روم میں تیار ہو رہا تھا۔ کچھ دیر بعد حورام روم میں آئی۔

"سنیں"

حوران کو جب بھی کوئی کام ہوتا وہ اسے ایسے ہی پکارتی۔

"جی سنائیں"

شرارتی انداز۔

"وہ مجھے پیسے چاہیے۔"

چہرے کر شدید معصومیت دکھاتے ہوئے کہا۔

"کتنے"

جہان نے ویسے ہی پوچھا۔

"پانچ ہزار"

حورام نے ہلکی آواز میں کہا۔

"کس لیے۔"

جہان جان کر بات کو لمبا کرنے لگا۔

"چاہیے نہ، آپ دے دیں۔"

حورام نے ضدی انداز میں کہا۔

"بالکل نہیں جب تک وجہ نہیں بتاؤ گی تب تک نہیں ملیں گے۔"

جہان نے اسے چڑاتے ہوئی کہا۔

"آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے میں کسی غلط کام کے لیے مانگ رہی ہوں۔"

حورام منہ بنا کر بولی۔

"میں نے ایسا کب کہا۔"

جہان نے انجان بننے کی ناکام ایکٹنگ کی۔

"ٹھیک ہے نہیں دینا تو مت دیں۔"

غصے سے پیر پٹخ کر وہ جانے لگی تھی کہ جہان نے ہنستے ہوئے اسے روک لیا۔

"کیوں ہر وقت تپتے توے پر سوار رہتی ہو۔۔۔۔۔ مزاق کر رہا تھا۔ یہ لو۔"

جہان نے اسے پانچ کی جگہ دس ہزار نکال کر دیے جو اس نے مسکراتے ہوئے لے لیے۔

"اب بتائو کس لیے چاہیے تھے۔"

جہان نے اپنا سوال دہرایا۔

"وہ میں نے آن لائین کپڑے منگوائے تھے۔"

حورام نے اصل وجہ بتائی۔

"کس لیے۔"

جہان نے حیرانی سے پوچھا۔

"بیبی کے آپ کو پتہ ہے کتنے پیارے پیارے کپڑے تھے میرا دل تو سارے کپڑے لینے کا تھا۔ مگر ہمیں تو جینڈر ہی نہیں پتہ اس لیے۔ میں نے اسے کلرز منگوائے جو لڑکے اور لڑکی دونوں پہن سکیں۔ ساتھ میں کچھ ٹوائز بھی منگوائے ہیں۔"

جہان نے سمجھنے کے انداز میں سرہلایا۔ حورام کا زیادہ تر وقت بچوں کے متعلق ویڈیوز دیکھتے گزرتا تھا۔

یہ بھی سچ تھا کہ انھوں نے جینڈر چیک نہیں کروایا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جہان کسی کیس کے سلسلے میں لاہور گیا ہوا تھا۔ حورام عائزہ کے ساتھ لان میں بیٹھی تھی۔ پاس ہی عائز اپنے فٹبال سے کھیل رہا تھا۔

اچانک حورام کو لیبر پین ہوا۔ بغیر وقت برباد کیے وہ لوگ ہاسپٹل پہنچے۔ نارمل ڈلیوری ہوئی۔

کچھ دیر بعد ڈاکٹر نے بیٹا ہونے کی خوشخبری دی۔ اس پورے وقت میں جہان کال پر موجود تھا۔

بچے اور حورام کے ٹھیک ہونے کی خبر سنتے ہی اس نے شکرانے کے نوافل ادا کیے۔ اسے دکھ تھا کہ اس وقت وہ وہاں موجود نہیں تھا۔ یہ مومنٹ اس نے مس کر دیا تھا۔

کچھ دیر بعد حورام کے گھر والے بھی آ گئے۔ آزان دینے کی دفعہ جہان کو ہی سب نے کہا۔ اس نے کال پر ہی بیبی کے کان میں آزان دی۔ نام ابھی نہیں رکھا گیا تھا۔ وہ جہان کے آنے کے بعد ہی رکھنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ دو دن بعد کا منظر ہے۔ حورام سو رہی تھی۔ ساتھ ہی بیبی بھی سو رہا تھا۔ اس کے آس پاس تکیے رکھے ہوئے تھے۔ سردیوں کا موسم تھا۔ دونوں ماں بیٹا گھپ سو رہے تھے۔

جہان گھر آیا تو گہری خاموشی نے اس کا استقبال کیا۔ جس کی اسے توقع بھی تھی۔ اس وقت وہ حورام سے اور اپنے بیٹے سے ملنے کے لیے بے چین تھا۔ اس لیے اپنے کمرے کا رخ کیا۔

کمرے میں آکر بھی خاموشی اور اندھیرا ملا۔ صرف تھوڑی سی لیمپ کی روشنی تھی۔ اس منی لیمپ کی جو حورام نے بڑا شوق سے آن لائین منگوایا تھا۔

جیسے ہی اس نے کمرے میں قدم رکھا اسی وقت بےبی بھی زرا سا ہلا۔

حورام کو ڈسٹرب کیے بغیر وہ بے بی کی طرف گیا جس نے زرا سی آنکھیں کھولیں اور پھر بند کر لیں۔ جہان اس کو دیکھ کر مسکرایا۔ ان کے درمیان ایک چھوٹے سے وجود کا اضافہ ہو گیا تھا۔

اس نے احتیاط سے بےبی کو گود میں اٹھایا۔ عائز کی وجہ سے وہ اس معاملے میں اناڑی نہیں رہے۔ ورنہ عائز کو اٹھاتے وہ اکثر گھبراتا تھا۔

قاسم صاحب نے کہا تھا کہ وہ ان دونوں کا مکسچر ہے۔ اب اسے قاسم صاحب کی بات ٹھیک لگ رہی تھی وہ ان دونوں پر گیا تھا۔

اس نے پیار سے اپنے بیٹے کا ماتھا چوما۔ ایک عجیب سا سکون مل رہا تھا اس کو۔ دل چاہ رہا تھا کہ سارا وقت اسے ہی اپنے بچے کو دیکھتا رہے۔

حورام نے نیند میں بےبی والی جگہ پر ہاتھ رکھا مگر اسے نہ پا کر گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ بامشکل آنکھیں کھول کر دیکھا تو جہان کو سامنے پایا۔ جو مسکراتے ہوئے بےبی کو دیکھ رہا تھا۔

وہ اپنے بیٹے کو دیکھنے میں اتنا مصروف تھا کہ حورام کو اٹھتے نہیں دیکھ سکا۔

"آپ کب آئے؟"

حورام کی آواز پر اس کی محویت ٹوٹی۔ حورام کو دیکھ کر مسکرایا اور چلتے چلتے اس کے پاس آیا۔ جھک کر اسی طرح اس کا ماتھا چھوا۔

"بہت شکریہ مجھے اتنی بڑی خوشی دینے کے لیے۔"

اس کی بات پر وہ مسکرائی۔

"طبیعت کیسی ہے تمہاری۔ کہیں درد تو نہیں ہو رہا۔"

اس نے فکر مند ہوتے پوچھا کیونکہ اس نے سن رکھا تھا کہ اولاد کے بعد عورت کو کوئی نہ کوئی جسمانی مسئلہ ہوتا ہے جیسے ماریہ کو ہاتھ کا تھا۔ اس کے ہاتھ میں درد رہنا شروع ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ ڈاکٹر نے ہڈیون کی کمزوری بتائی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔"

حورام نے اسے تسلی دی۔ جہان نے بےبی کو اس کی گود میں دیا۔ خود اپنی جیکٹ سے ایک چھوٹا سا ڈبہ نکالا۔ جس میں ایک پیارا سا گولڈ کا بریسلیٹ تھا۔ اس نے خود ہی وہ بریسلیٹ حورام کی بازو میں پہنایا۔

"ایک بار پھر شکریہ۔ اس پاک زات کا شکر ادا کر چکا ہوں جس نے تمہارے زریعے مجھے اس نعمت سے نوازا۔"

جہان نے ایک بار پھر اس کا ماتھا چوما۔ اس کے لمس میں عزت تھی حورام کے لیے۔

"نام کیا سوچا۔"

اسے قاسم صاحب نے بتایا کہ ابھی تک بےبی کا نام نہیں رکھا گیا۔

"مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہی۔ آپ بتائیں کیا نام رکھیں۔"

حورام نے پریشانی سے کہا۔ سب لوگ اس سے نام پوچھ رہے تھے جب کہ اس کے دماغ میں کوئی نام نہیں آرہا تھا۔

"محمد دائم ہاشمی"

کچھ پل سوچنے کے بعد جہان نے کہا۔

"ہمارا بیٹا' محمد دائم ہاشمی'. ثابت رہنے والا، ٹھہرا ہوا۔"

اسی طرح جہان نے تین بار بےبی کے کان میں نام دہرایا۔

"تمہارا نام محمد دائم ہاشمی"

"تمہارا نام محمد دائم ہاشمی"

"تمہارا نام محمد دائم ہاشمی"

نام دہرانے کے بعد اس نے دائم کے چہرے کے ایک ایک نقوش کو چوما۔

"میرا بیٹا۔ بابا کی جان۔ بابا لوزیو آلوٹ"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح گھر والوں کو نام کا بتایا گیا۔ سب کو نام اچھا لگا۔ ان کی زندگی میں ایک اور مصروفیت آگئی تھی۔ جہان کا تو دل نہیں کرتا تھا کام پر جانے کا۔ کام پر جانے سے پہلے وہ پورا وقت دائم کے ساتھ ہی لگا رہتا تھا۔

گھر آکر وہ پورا وقت دائم کے ساتھ رہتا۔ پھر ایک ہفتے بعد اس پر بم پھٹا کہ حورام ڈیڑھ مہینے کے لیے اپنے میکے جا رہی ہے۔ چھلے کے لیے۔ یہ خبر جہان کے لیے صدمے سے کم نہیں تھی۔

اس نے بڑی کوشش کی کہ حورام نہ جائے کیونکہ عائزہ بھی نہیں گئی تھی۔ عائزہ کے نہ جانے کی وجہ یہ تھی کہ ان کے گھر پر ایسا کوئی رواج نہیں تھا چھلے کا۔

اس کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوئی۔ حورام دائم کو لے کر چلی گئی تھی۔

جہان کو تب بھی سکون نہیں تھا۔ وہ روز تھانے سے فارغ ہونے کے بعد حورام کے گھر جاتا اور دائم کو گود میں لیے بیٹھا رہتا۔ جب تک سب سو نہ جاتے تب تک وہ وہاں سے نہ ہلتا۔

قاسم صاحب اس کو اکثر ڈانٹتے تھے اس بات پر۔

" گدھے روز اس طرح ان کے گھر جانا اچھا نہیں لگتا۔ حناع نے واپس گھر آن ہے تب تک انتظار کر لو۔"

قاسم صاحب تپ کر بولے۔

"آپ کی لاڈلی میرا بچہ لے گئی اور آپ کہتے ہیں انتظار کروں۔ میں تو ایک دن اپنے بچے سے دور نہ رہوں اور یہاں ڈیڑھ مہینے کے لیے وہ چلی گئی ہے۔"

جہان چڑ کر بولا۔

"تو وہ ان لوگوں کا بھی تو بچہ ہے۔ اس گھر کا حرا کے بعد پہلا بچہ۔ ان کی بھی تو پہلی خوشی ہے۔"

انھوں نے اسے سمجھانا چاہا۔

"ہاں مگر میں بھی تو باپ ہوں میرا بھی تو پہلا بچہ ہے۔"

مگر وہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتا۔

جتنا عرصہ حورام اپنے گھر رہی اتنا عرصہ جہان روز وہاں جاتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حورام کے واپس آتے ہی زندگی معمول پر آگئی۔ سارا وقت دائم کے ساتھ گزارنا۔ اس کی شراتیں دیکھنا۔

ان کی چھوٹی سی اولاد میں بلا کا ایٹیٹیوڈ اور غصہ تھا۔ اگر اسی مرضی کے خالف کوئی کام ہو تو وہ پورا غصے کا اظہار کرتا۔ خاص کر اگر اس کے ماں باپ آس پاس نہ ہو تب وہ پورا گلا پھاڑ کر روتے ہوئے اپنا غصہ دکھاتا۔ باقی وہ بہت اچھا بچہ تھا۔ راتوں کو اٹھ کر ماں کو تنگ کرنے والا بچہ نہیں تھا۔

اگر یہ کہا جائے کہ جہان دائم سے بے پناہ محبے کرتا ہے تو غلط نہیں ہوگا۔ وہ سچ میں دائم کے لیے پوسیسیو تھا۔

جب وہ کام سے واپس آتا اس کے بعد دائم اس کی پراپرٹی ہوتا۔ کسی کو بھی دائم اس سے لینے کی اجازت نہیں تھی۔

رات کو وہ دائم کو اپنے سینے پر سلاتا۔ حورام اس کو اکثر منع کرتی تھی کہ اس طرح دائم کو عادت ہو جائے گی مگر جہان صاحب کسی کی سنیں تب نا۔

جبکہ محمد دائم ہاشمی بھی اپنے باپ کو ماں سے زیادہ پسند کرتا تھا۔

ایک بار جہان اور حورام نے مل کر اس کو نہلایا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ حورام کی گود میں جا ہی نہیں رہا تھا۔ حورام کے پاس آتے ہی رونے لگ جاتا جیسے اس نے اس پر بہت بڑا ظلم کر دیا ہو۔

جہان کی گود میں ایسا چڑھا کہ اتر ہی نہیں رہا تھا۔

کبھی کبھی حورام کو اپنی اس چھوٹی سی اولاد پر غصہ بھی آتا جو سارا دن اس کے ساتھ رہتا اور باپ کے آتے ہی نظریں پھیر لیتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جہان ایک بہت اچھا باپ تھا۔ دائم کے کام کرتے ہوئی وہ بالکل روایتی مردوں کی طرح برا نہیں مانتا تھا۔ دائم کا فیڈر بنانا، دھونا، اس کے کپڑے چینج کرنا اور اسے رات کو جاگ کر سلانا اسے برا نہیں لگتا تھا۔

حورام گہری نیند میں تھی جب اس نے نیند میں اپنی ساتھ والی جگہ پر ہاتھ رکھا مگر جگہ خالی محسوس کر کہ اس کی آنکھ کھل گئی اور یہ دیکھ کر زیادہ حیرت ہوئی کہ جہان اور دائم دونوں اپنی جگہ پر نہیں تھے۔

"یہ دونوں کہاں چلے گئے۔"

وہ ان کو ڈھونڈتے ہوئے نیچے آئی تب اسے لائونج میں جہان روتے ہوئے دائم کو لیے ٹہلتا نظر آیا۔

"آپ کیوں اٹھ گئے اور یہ کیوں اتنا رو رہا ہے۔"

حورام نے پریشانی سے پوچھا۔

"پتہ نہیں ایک دم سے نیند میں زور سے ہلا اور رونے لگ گیا۔ تمہاری نیند خراب نہ ہو اس لیے میں نے خود اٹھا لیا۔"

"آپ کی بھی تو نیند پوری نہیں ہوئی۔ لائیں دیجیے میں سلا دوں۔ دیکھیں اب رو بھی نہیں رہا۔"

حورام نے اس کی گود سے دائم کو لیتے کہا۔

"کیا ہو گیا اگر میری نیند خراب ہو گئی۔۔۔۔۔ دیکھو بیگم میں زیادہ بڑے دعوے نہیں کرتا بس یہی کوشش کرتا ہوں کہ اگر میں فری ہوں تو اسے سنبھال لوں۔۔۔۔۔ اگر تمہاری ماں ہو کر کچھ ذمہداریاں ہیں تو میری بھی باپ ہو کر کچھ زمہ داریاں ہیں اور میں وہ زمہداریاں پوری کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ مستقبل میں یہ باتیں اسے سمجھاتے ہوئے مجھے شرمندگی نہ ہو۔"

اور پھر اس نے اپنا کہا پورا کیا۔

دائم کی پہلی سالگرہ بہت دھوم دھام سے منائی گئی۔ بلکہ دو دفعہ منائی گئی۔ ایک دن اس کے ددھیال میں اور ایک دن ننھیال میں۔

اپنی پہلی سالگرہ تک اس نے چار دانت نکالے تھے اور رینگنا سیکھا تھا بقول آفتاب صاحب کے کہ وہ اس معاملے میں اپنی ماں پر گیا ہے۔ کیونکہ وہ بھی اتنی ہی سست تھی اور اپنی پہلی سالگرہ پر صرف کرول کر رہی تھی۔

دائم ڈھائی سال کا ہو گیا تھا۔ ایک بار وہ بہت سخت بیمار تھا۔ ۔ ڈاکٹر نے اسے ٹھنڈک سے دور رکھنے کا کہا تھا۔ جولائی کا مہینہ چل رہا تھا۔ جہان اور حورام نے شدید گرمی میں اے سی اور پنکھا بند کیا ہوا تھا۔

وہ بخار میں پھنک رہا تھا اور جہان کے سینے پر لیٹا ہوا تھا۔ جہان کو خود بھی گرمی لگ رہی تھی پھر دائم کا تپتا وجود۔ اس کے باوجود بھی وہ اسے اپنے سینے پر لٹائے ہوئے تھا کیونکہ دائم کو ضد چڑھی ہوئی تھی۔ وہ مسلسل روئے جا رہا تھا۔ بخار کی وجہ سے اس کا ننھا سا وجود دکھ رہا تھا۔ وہ غنودگی میں ایک ہی بات بولے جا رہا تھا۔

"بابا دد ہولا ہے۔" اس کی یہ بات ان دونوں میاں بیوی کو تڑپا دیتی۔

جہان نے صبح کام پر بھی جانا تھا مگر وہ دائم کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ حورام اس کا بخار کم کرنے کے لیے اس کے سر پر ٹھنڈی پٹیاں رکھ رہی تھی۔

ان دنوں میں کام پر ہوتے بھی جہان کا سارا دھیان دائم کی طرف ہوتا تھا۔ بار بار وہ گھر کال کر کے دائم کی حالت پوچھتا رہتا۔

ایک ہفتے بعد جا کر دائم کی طبیعت سنبھلی تھی۔ تب جا کر ان دونوں کو بھی ذہنی سکون ملا۔ دائم کے بارے میں دونوں خاندانوں کی ایک ہی رائے تھی "ببا بچہ۔"

حورام کے گھر میں وہ پہلا بچہ تھا حرا کے بعد۔ وہ سب کا لاڈلا تھا۔ ینگ جنریشن میں تو اس کا ٹھاٹ ہی الگ تھا۔ حمدان، مہرہ اور حرا یہاں تک کہ عمار بھی سارا وقت اسے گود میں لے کر پھرتے مگر اسے صرف اپنی ماں چاہیے تھی۔ جب تک اس کی ماں سامنے ہو وہ سب کو لفٹ کرواتا تھا۔

دو سال پہلے سجاد، عائزہ اور عائز اوسٹریا چلے گئے تھے۔

اب دائم اکیلا رہ گیا تھا۔ دائم نیچر وائیز سادہ اور شریف تھا۔ اپنے ماں باپ کا وہ لاڈلا تھا۔ حورام پھر کہیں سختی دکھا جاتی مگر جہان سے تو دائم کے معاملے میں سختی کی امید نہیں تھی۔

ایک بار حورام نے کسی بات پر دائم کو ڈانٹتے ہوئے سر پر ہلکا تھپڑ لگایا۔ جہان ساتھ ہی بیٹھا تھا۔

باپ کو دیکھ کر دائم صاحب پھیل گئے اور معصوم بن کر رونے لگا۔ جانتا تھا کہ اس کا باپ اسے روتے نہیں دیکھ سکتا۔ ہوا بھی توقع کے مطابق جہان نے حورام کو گھور کر دیکھا۔

"آج یہ حرکت کی دوبارہ مت کرنا۔"

اس نے حورام کو گھورتے کہا۔ دائم کو اٹھا کر باہر لے گیا۔ پیچھے حورام اپنی چھوٹی آفت کی ایکٹنگ دیکھ کر حیران ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دائم کی وجہ سے حورام کو اپنے میکے رہنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ کیونکہ جہان کو دائم کے بغیر نیند نہیں آتی تھی۔ سوتے وقت دائم جہان سے چپک کر سوتا تھا۔ یہی حال دائم کا بھی تھا اپنے باپ کے علاوہ اسے کسی کے پاس سونا اچھا نہیں لگتا تھا۔

یہ کچھ دن بعد کا منظر ہے۔ صبح کا وقت تھا۔ ہفتہ کا دن تھا۔ جہاں نے آج کام پر نہیں جانا تھا۔ اس لیے وہ سو رہا تھا۔ سوتے وقت بھی وہ الرٹ رہتا تھا۔ کچھ دیر بعد کوئی روم کا دروازہ کھول کر آیا۔ جہان نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو دائم منہ بنائے اندر آرہا تھا۔ دائم نے اس کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ دوبارہ آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔

دائم بیڈ پر چڑھا اور جہان کے اوپر بیٹھ گیا۔

"بابا"

ایک معصوم سی آواز کان میں ٹکرائی۔

"بابا اٹھیں نا۔"

دائم نے اس کو اٹھانا چاہا۔ جہان نے اسے پکڑ کر اپنے سینے پر لٹا لیا۔

"کیا چاہیے میرے بچے کو۔"

جہان نے اس کے بال سہلاتے پوچھا۔

"ماما نانا ابو گر جاری این۔ دائم تو نی جانا۔ دائم تو اپ تے پاش رینا اے۔"

(ماما نانا ابو کے گھر جا رہی ہیں۔ دائم کو نہیں جانا۔ دائم کو آپ کے پاس رہنا ہے۔)

آج اس کا باپ گھر پر تھا اس لیے وہ کہیں نہیں جانا چاہتا تھا۔ ورنہ وہ اپنے نانا ابو کے گھر شوق سے جاتا تھا۔

جہان جانتا تھا۔ حورام اسے رات کو بتا چکی تھی۔ حمدان کی شادی کے فنکشنز شروع ہو رہے تھے۔ اس لیے حورام کو جانا تھا۔ جہان بھی ساتھ ہی جا رہا تھا۔ اس نے بھی وہاں رہنا تھا۔

"پر میں تو جا رہا ہوں۔"

جہان کے بتانے پر دائم نے سر اٹھا کر حیرانی سے دیکھا۔

"آپ تاں جا رے این۔"

دائم نے اداس ہوتے کہا۔

"آپ کے ساتھ آپ کے نانا ابو کے گھر۔ میں بھی وہیں رہوں گا۔ اپنے بیٹے کے ساتھ۔"

جہان کی بات کر اس کا چہرہ پھر سے کھل گیا۔

"شچی!"

دائم نے خوشی سے پوچھا۔

"مچی"

جہان نے ہنستے ہوئے کہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گھر پر ابھی کوئی کام شروع نہیں ہوا تھا۔ فلحال کوئی کام نہیں تھا۔ جہان، حمدان اور عمار کے ساتھ چلا گیا۔ دائم کھلنے میں مصروف تھا۔ یہاں بھی وہ اکیلا ہوتا تھا۔ اس لیے اکیلا ہی یا تو کھیلتا رہتا یا ٹی وہ دیکھ لیتا۔

ابھی بھی وہ کافی دیر سے ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ نائمہ بیگم پاس ہی بیٹھی سبزیاں کاٹ رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد دائم اٹھا۔

"دائم کہا جا رہا ہے۔"

نائمہ بیگم نے اسے اٹھتے دیکھ کر پوچھا۔

"میں ماما پاش جا را ہوں۔"

اسے اپنی ماں کی یاد آگئی تھی۔

"کیوں"

نائمہ بیگم حیران ہوئیں۔

"اوفو (ماتھے پر ننھا ہاتھ مارتے ہوئے۔)

ماما اتی دیر شے دوشے روم میں ایں۔ مدے پتا اے وہ مدے مش کل لی ہیں۔(ماما اتنی دیر سے دوسرے روم میں ہیں۔ مجھے پتہ ہے وہ مجھے مس کر رہی ہیں۔)"

نائمہ بیگم تو اس چھوٹے پیکٹ کو دیکھتی رہ گئیں۔ جو ان کی بیٹی کو ایک منٹ بھی خود سے دور نہیں بیٹھنے دے رہا تھا۔

حورام مہرہ اور حرا کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی جب دائم نے ہلکا سا روم میں جھانکا۔ حورام اس کی حرکت پر مسکرائی۔

"آجائیں ماما کی جان"

حورام نے مسکرا کر کہا۔ اپنی ماں کو مسکراتا دیکھ کر وہ بھی مسکراتا ہوا اندر آیا اور اس کی گود میں بیٹھ گیا۔

"یہ تو ٹی وی دیکھ رہا تھا، یہاں کیوں آگیا۔۔۔۔ تھوڑی دیر تو ہمیں سکون سے باتیں کرنے دے۔"

حرا جل کر بولی۔

حرا کی بات پر دائم نے اسے گھور کر دیکھا۔

"جی میں تھیل را تھا۔ پر مدے پتا ہے ماما مدے مش کل لی ہیں۔ اش لیے میں اپنی ماما پاش آدیا۔ (جی میں کھیل رہا تھا۔ پر مجھے پتہ ہے ماما مجھے مس کر رہی تھیں۔ اس لیے میں اپنی ماما پاس آگیا۔)"

دائم چڑانے والے انداز میں بولا جسے حرا کے علاوہ کسی نے محسوس نہیں کیا۔ وہ صرف دل میں اسے "چچکو" کہہ سکی۔

دائم کی موجودگی میں بھی حورام ان دونوں سے سکون سے باتیں کرتی رہی۔ جب کہ وہ خاموشی سے ماں کی گود میں بیٹھا رہا۔ اس نے کسی بھی طرح حورام کو تنگ نہیں کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آفتاب صاحب کے آنے کے بعد وہ شام تک ان کے ساتھ ہی رہا۔ ان سے باتیں کرتا رہا۔ آفتاب صاحب بھی دیھان سے اس کی باتیں سنتے رہے۔

حورام سو رہی تھی۔ جہان ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔

شام کا وقت تھا۔ وہ آفتاب صاحب کے فون پر پوئمز دیکھ رہا تھا۔ کافی دیر سے اسے حورام نظر نہیں آئی۔ اس لیے وہ اسے ڈھونڈنے کے لیے اٹھا۔

"کہاں جا رہا ہے میرا بچہ۔"

آفتاب صاحب نے اسے روم میں جاتے دیکھ کر پوچھا۔ حورام کو سوئے ہوئے ابھی صرف دو گھنٹے ہوئے تھے۔

"ماما پاش!"

یک لفظی جواب آیا۔

"کیوں"

انھوں نے حیرانی سے پوچھا۔

"مدے بھوک لدی ہے اول مدے پتہ اے ماما تو میلے لیے تھانا بنانا اتھا لگتا ہے۔(مجھے بھوک لگی ہے اور مجھے پتہ ہے ماما کو میرے لیے کھانا بنانا اچھا لگتا ہے۔)"

اس کی بات اور کانفیڈنس پر وہ ہنس پڑے۔مگر بولے کچھ نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ روم میں گیا مگر حورام کو سوتے دیکھ کر مایوس ہوا۔ اسے بھوک لگ رہی تھی مگر وہ اپنی ماں کی نیند خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جہان بھی موجود نہیں تھا ورنہ وہ اس سے کہہ دیتا۔ یہ بھی دائم کی عادت تھی اسے کچھ بھی چاہیے ہوتا تو وہ اپنے ماں باپ کو ہی کہتا۔ کوئی جتنا بھی پوچھ لے وہ نہیں بتاتا تھا۔

اب اس کا کھلنے کا موڈ بھی نہیں تھا اس لیے وہ بیڈ پر چڑھا۔ حورام کا بازو جو تکیے پر تھا اس پر سر رکھ کر لیٹ گیا۔ ایک ہاتھ حورام کے گال پر تھا۔

حورام دائم کی موجودگی پہلے ہی محسوس کر چکی تھی۔

وہ اکثر اس بات پر حیران ہوتی تھی کہ کیسے گہری نیند میں ہونے کے باوجود بھی مائیں الرٹ رہتی ہیں۔

تائشہ کی دفعہ بھی اس کو یاد تھا۔ وہ جب دس ماہ کی تھی تب کھلتے کھلتے وہ ماریہ کے اوپر سے گزرنے لگی تھی۔ ماریہ بیڈ کے کنارے پر گہری نیند سو رہی تھی۔ مگر جیسے ہی تائشہ اس کے اوپر چڑھ کر آگے ہونے لگی ماریہ نے اسے پکڑ لیا۔

صرف یہی نہیں اکثر رات کو گہری نیند میں ہونے کے باوجود بھی اس کو تائشہ کی زرا سی ہل جل بھی محسوس ہو جاتی تھی۔

حورام اکثر نائمہ بیگم سے پوچھتی تھی کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ تب نائمہ بیگم اسے یہی کہتی تھیں کہ ماں کے اندر اللہ نے خاص یہ حس رکھی ہے کہ اسے پتہ چل جاتا ہے۔

آج اسے یقین ہو گیا اس بات پر۔ دائم نے روم میں آکر کوئی آواز پیدا نہیں کی تھی۔ مگر اسے دائم کے آنے کا پتہ چل گیا تھا۔

حورام نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا جو اداس سا اس کے ساتھ لیٹا ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی اسے بھوک لگی ہے۔

"میرے بیٹے کو بھوک لگی ہے۔"

حورام نے پیار سے اس کے بال سہلاتے ہوئے پوچھا۔ جواب میں دائم نے معصومیت سے سر ہلایا۔

اس کے اس طرح سرہلانے پر حورام نے مسکرا کر اس کا ماتھا چوما اور اسے گود میں لے کر باہر نکلی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کیا ضرورت تھی آپ کو اسے روم میں بھیجنے کی اب جا کر وہ حورام کو تنگ کرے۔"

نائمہ بیگم ماں تھیں، ان کو اپنی بیٹی کہ نیند کا خیال تھا۔

"وہ کبھی بھی حورام کو تنگ نہیں کرے گا۔ میں نے دیکھا ہے اسے وہ صرف اپنی ماں کے اس پاس رہنا چاہتا ہے. ویسے بھی یہ اس کے کھانے کا وقت ہے۔ اسے بھوک لگی ہوگی۔ جہان بھی یہاں نہیں ہے۔

مجھے یا تمہیں وہ کہے گا نہیں۔ تم جانتی وہ اس چیز میں بھی حورام پر گیا۔ کسی دوسرے کو تنگ نہ کرنے والی۔"

آفتاب صاحب نے ان کو سمجھایا۔ دائم عادات اور شرافت کے لحاظ سے حورام پر گیا تھا۔ عام طور پر بچے ننھیال جا کر پھیل جاتے ہیں مگر دائم الگ تھا۔ وہ ننھیال آکر بھی شرافت سے ایک جگہ بیٹھا رہتا۔

تھوڑی دیر بعد ان کو حورام دائم کو گود میں لیے باہر آتی نظر آئی۔

حورام نے اس کو دو بریڈ سلائس پر جیم لگا کر دیا۔ جو اس نے آرام سے کھا لیا۔ تھوڑی دیر بعد جہان بھی آگیا۔ اس لیے حورام ٹینشن فری تھی۔

جہان نے دائم کو اپنے پاس بٹھا لیا تھا۔ وہ لوگ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ جہان اب آفتاب صاحب سے باتیں کر رہا تھا جبکہ دائم اس کی گود میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بارات کا دن آن پہنچا تھا۔ حورام واشروم سے نہا کر باہر آئی تو صدمے سے اس کا منہ کھل گیا۔ اس کا پریس ہوا جوڑا زمین پر چرمڑ ہوا پڑا تھا۔

سامنے دائم پورے بیڈ پر پھیلاوا ڈالے بیٹھا تھا۔

"یہ کیا کیا؟"

حورام نے دائم کو گھورتے پوچھا۔

"تا ہوا ماما؟"

دائم نے بھرپور معصومیت دکھاتے کہا۔

"کیا ہوا کے بچے تم نے میرے سوٹ کی پوری پریس خراب کر دی۔ دن بدن گندے بچے بنتے جا رہے ہو تم۔"

حورام غصے سے بولی۔

"ماما"

دائم احتجاجا بولا۔

"کیا ماما ہاں۔ خاموشی سے بیٹھ جائو۔ آواز نہ آئے مجھے تمہاری ورنہ میں پٹائی کروں گی۔"

حورام نے اسے وارن کرتے کہا۔

"یں نی بولتا آپ شے۔۔۔۔ دندی ماما۔۔۔۔۔ دائم کٹی آپ شے۔"

وہ ناراضگی سے دھمکی لگاتا بیڈ پر الٹا لیٹ گیا۔

جب کہ اس کی دھمکی کا حورام پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

"تم ابھی تک تیار نہیں ہوئی۔۔۔۔۔ سب تمہیں بلا رہے ہیں۔"

جہان کمرے میں آیا تو اس کو عام حلیے میں دیکھ کر پوچھا۔ مگر اس کے پوچھنے پر حورام جیسے پھٹ پڑی۔

"آپ کی یہ تین فٹ کی آفت مجھے کچھ پل کا سکون دے تب میں کچھ کروں نا۔"

وہ تپ کر بولی۔ اس کو تپتے دیکھ کر جہان نے اپنی تین فٹ کی آفت کو ڈھونڈنا چاہا جو حسب توقع بیڈ پر الٹی لیٹی ملی۔ جہان خود بھی مسکراتا ہوا اس کے پاس لیٹ گیا۔

"ماما دندی ہیں ۔۔۔۔۔ شب کو دانتی ہیں۔۔۔۔ آپ کو بھی دانتا مدے بھی دانتا۔۔۔۔۔ اب ام ان شے بات نی تریں دے۔"

باپ کو دیکھتے ہی اس نے اپنی ماں کی شکایت لگا دی۔ جس پر جہان نے مسکراتے ہوئے اس کا گال چوما۔

اس کے کپڑے نکال کر خود ہی اسے تیار کرنا شروع کر دیا۔ تیاری کے دوران بھی دائم وقفے وقفے سے حورام کی شکایتیں لگاتا رہا۔

سارا فنکشن دائم حورام سے ناراضگی دکھاتا رہا۔ حورام نے اسے دو دفعہ اپنے پاس بلایا بھی مگر وہ جہان کے پاس سے نہیں ہلا۔

دائم کی حرکتوں پر اسے ہنسی آرہی تھی۔ جو ماں کو پورے پورے نخرے دکھا رہا تھا۔

جہان جلدی سونے چلا گیا جب کہ دائم مہرہ کے ساتھ لگ گیا۔ حورام کے آس پاس بھی نہیں پھٹکا۔

سارے کاموں سے فارغ ہو کر حورام نے اب دائم کا رویہ نوٹ کیا۔ تب اسے سمجھ آئی کہ اس کا بیٹا اس سے ناراض ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دائم کو نیند آرہی تھی مگر اس نے حورام کو نہیں کہا بلکہ خود ہی کمرے میں چلا گیا۔ جہان بیڈ پر لیٹا فون یوز کر رہا تھا۔

دائم اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ جہان نے اسے پکڑ کر اپنے سینے پر لٹا کر تھپکنا شروع کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد حورام کمرے میں آئی۔ دائم کو جہان کے سینے پر لیٹا دیکھ کر اس کے پاس آئی اور زبردستی گود میں اٹھا لیا۔

"میرا بچہ ماما سے ناراض ہے۔"

حورام نے اس کا گال چومتے پوچھا۔

"آپ نے مدے دندہ بتہ کہا۔ دائم تو برا لدا۔"

دائم نے ناراضگی کی اصل وجہ بتائی۔

"دائم بہت اچھا بچہ ہے۔ سب سے اچھا بے بی ہے۔ ماما نے غصے میں کہا تھا۔ ماما سوری ہیں۔"

حورام نے معصومیت سے کہا۔ بیڈ پر لیٹا جہان مسکراتے ہوئے دونوں ماں بیٹے کے مذاکرات سن رہا تھا۔

حورام کے اس طرح کہنے پر دائم مسکرایا۔

"اتس اوتے(اٹس اوکے)"

دائم نے مسکراتے کہا۔

Hooria AHMAD

اب دونوں ماں بیٹا اپنے مزاکرات میں مصروف تھے اور جہان ان دونوں کو مسکراتے دیکھ رہا تھا۔ ماں سے مزاکرات ختم ہوتے ہی وہ ایک بار پھر جہان کے سینے پر چڑھ گیا۔ جس پر حورام نے اسے گھورا۔ بدلے میں دونوں باپ بیٹا ہنسنے لگ گئے۔ ان کے اس طرح ہنسنے پر حورام بھی مسکرائی۔

ان دونوں کی زندگی میں بہت مشکلات آئیں۔ دونوں نے اپنی جگہ بہت سفر کیا۔ مگر بے شک ہر مشکل کے بعد آسانی ہے۔ اب وہ دونوں اپنی زندگی میں اپنے بیٹے کے ساتھ خوش تھے۔

حورام نے دل میں اللہ کا شکر ادا کیا۔

(ختم شد)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆